بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پندرہ روزہ تعمیرِ حیات لکھنؤ

ISSN 2582-4619

جلد نمبر ۶۰

۱۰-۲۵/ اکتوبر ۲۰۲۳ء مطابق ۲۴/ ربیع الاول - ۹/ ربیع الثانی ۱۴۴۵ھ

شمارہ نمبر ۲۳-۲۴

اس شمارے میں

شعروادب دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک	علامہ شبلی نعمانیؒ	۴
اداریہ جو معجزہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی	شمس الحق ندوی	۵
نظر افروز شرفا اور اونچے گھرانوں کی خاص بیماریاں	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	۷
مغربی سامراج اسرائیلی جارحیت اور مغربی ممالک کا کردار	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ	۱۰
فکرونظر اغراض وتعصّبات سے مکمل آزادی	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	۱۱
ذرائع ابلاغ یہودی میڈیا اور انسانی حقوق کی پامالی	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ	۱۴
راہِ حق تعلیماتِ نبویؐ کی قطعیت وحقانیت	مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی	۱۸
اخلاصِ عمل نصرتِ ربانی کب اور کیسے؟	ڈاکٹر یوسف القرضاویؒ	۲۰
عصر حاضر انسانی فریضہ اور شرعی ذمہ داری	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۲۴
اجتماعی اجتہاد کلیدی خطبہ سہ روزہ فقہی سیمینار	مولانا عتیق احمد بستوی	۲۶
وفیات آہ! مولانا محمد شاہد حسنی مرحوم	ڈاکٹر سراج الدین ندوی	۳۱
یادوں کے چراغ ڈاکٹر ف عبدالرحیم - زبانِ وحی کے شناور	مولانا عبدالمتین منیری	۳۳
جھدِ مسلسل بھنور سے لڑو، تندلہروں سے الجھو	محمد جمیل اختر جلیلی ندوی	۳۶
دردِ دل روح کی گہرائیوں میں درد کا احساس ہے	مولانا شبیر احمد کاندھلوی	۳۹
فقہ وفتاویٰ سوال وجواب	مفتی محمد ظفر عالم ندوی	۴۱

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول

شمس الحق ندوی

نائب مدیر

محمد عمیر الصدیق دریابادی ندوی

معاون مدیر

محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی ❁ محمد جاوید اختر ندوی

مجلس مشاورت

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی ❁ مولانا محمد خالد غازی پوری ندوی

قارئین محترم! تعمیرِ حیات کا سالانہ زرِتعاون ذیل میں دیے گئے اکاؤنٹ میں جمع کرائیں!

TAMEER E HAYAT
A/c. No. 10863759868 (Current A/c.)
IFSC Code : SBIN0000125 -- Swift Code : SBINNB157
State Bank of India, Main Branch, Lucknow

براہِ کرم رقم جمع ہوجانے کے بعد دفتر کے فون نمبر یا ای میل پر خریداری نمبر کے ساتھ اطلاع ضرور دیدیں۔

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

TAMEER-E-HAYAT
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow - 226007, Ph.:0522-2740406
website : http://tameerehayat.com - email : tameer1963@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

سالانہ زرتعاون -/400	فی شمارہ -/20	ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک کے لئے۔ 75$

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ پر روانہ کریں۔ چیک سے بھیجی جانے والی رقم صرف All CBS Payable Multicity Cheques روانہ فرمائیں، بصورت دیگر ₹30/= جوڑ کر چیک دیں۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

آپ کی خریداری نمبر کے نیچے اگر سرخ لکیر ہے تو سمجھیں کہ آپ کا زرتعاون ختم ہوچکا ہے، لہٰذا جلد ہی زرتعاون ارسال کریں۔ اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں، موبائل یا فون نمبر اور پتے کے ساتھ پن کوڈ بھی لکھیں۔ (منیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر محمد طٰہٰ اطہر نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

شعر و ادب

دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک

علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

حکومت پر زوال آیا تو پھر نام و نشاں کب تک
چراغِ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کب تک

قبائے سلطنت کے گر فلک نے کر دیے پرزے
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کب تک

مراکش جاچکا ، فارس گیا ، اب دیکھنا یہ ہے
کہ جیتا ہے یہ ٹرکی کا مریضِ سخت جاں کب تک

یہ سیلابِ بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کب تک

یہ وہ ہیں ، نالۂ مظلوم کی لے جن کو بھاتی ہے
یہ راگ ان کو سنائے گا یتیمِ ناتواں کب تک

یہ مانا ، تم کو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اس کا امتحاں کب تک

نگارستانِ خوں کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں تم کو زخمہائے خوں چکاں کب تک

یہ مانا ، تم کو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمہاری کھیتیاں کب تک

کہاں تک لو گے ہم سے انتقامِ فتحِ ایوبی
دکھاؤ گے ہمیں جنگِ صلیبی کا سماں کب تک

سمجھ کر یہ کہ دھندلے سے نشانِ رفتگاں ہیں ہم
مٹاؤ گے ہمارا اس طرح نام و نشاں کب تک

زوالِ دولتِ عثماں زوالِ شرع و ملت ہے
عزیزو ! فکرِ فرزند و عیال و خانماں کب تک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ تیاریاں کیا ہیں ؟
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھو گے تم یہ چیستاں کب تک

جو گونج اٹھے گا عالم شورِ ناقوسِ کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگِ اذاں کب تک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراقِ اسلامی
چلیں گی تند بادِ کفر کی یہ آندھیاں کب تک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغانِ حرم کے آشیاں کب تک

جو ہجرت کر کے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امانِ شام و نجد و قیرواں کب تک

☆☆☆☆☆

اداریہ

جو معجزہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی

شمس الحق ندوی

ہر بندۂ مومن کا یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ اس کائنات کی خالق و مالک بس ایک ہی ذات ہے، وہ کسی کی محتاج نہیں، اور سب اس کے محتاج ہیں، پوری کائنات پر اسی کی فرمانروائی ہے، وہ ہر ہر چیز کو جانتا اور ہر ہر عمل و حرکت کی پوری خبر رکھتا ہے، کسی آن اور کسی لمحہ بھی وہ غافل نہیں ہوتا، اسی کے ساتھ مسلمان یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ ایک دن ایسا بھی آکے رہے گا جب یہ دنیا مٹا دی جائے گی اور انسان کو اس کے کیے کا بدلہ دیا جائے گا، مسلمان یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ خدا کی کتاب قرآن کریم سچی کتاب ہے، اور اس کو لانے والے رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے اور آخری رسول ہیں، انھوں نے جو کچھ بتایا اور خبر دی وہ سب سچ ہے، اس کے خلاف جو کچھ کہا یا بتایا جائے، سراسر غلط ہے۔

ایک ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی یہی عقیدہ رکھتا اور اپنے غلط عمل پر خدا کی پکڑ سے ڈرتا رہتا ہے، غلطی کر کے پچھتاتا اور شرماتا ہے۔

اپنے اس عقیدہ کی روشنی میں مسلمان اپنی قوم اور ملت کے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے بڑی سے بڑی پیش کش کو ٹھکرا دیتا ہے، اس لیے کہ اسے یہ یقین ہوتا ہے کہ اگر ہم نے اس وقت دین وقوم سے غداری کر کے کوئی دنیاوی فائدہ اٹھالیا تو آخرت میں کل خدا کے سامنے اس کا بڑا بھیانک بھگتان بھگتنا پڑے گا، اور اس کی تلافی کی ساری راہیں بند ہو چکی ہوں گی۔

اگر کوئی مسلمان نفس وشیطان کا شکار ہو کر قوم وملت کے خلاف کسی پیش کش کو قبول کر لیتا ہے اور اس سے قوم کو نقصان پہونچاتا ہے تو وہ عملی منافق ہوتا ہے، آخرت میں اس کو ملت فروشی کی جو سزا ملے گی وہ تو ملے گی ہی، اس دنیا میں بھی وہ جعفر وصادق کہلائے گا اور ہر مسلمان اس کو ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھے گا:

جعفر از بنگال ، صادق از دکن
ننگِ ملت ، ننگِ دیں ، ننگِ وطن

ہمیں ان سطروں کے لکھنے کی ضرورت اس لیے محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو موجودہ مادہ پرستانہ ذہنیت سے متأثر ہو کر معمولی سے مفاد کے لیے خواہ وہ روپیہ پیسہ کی شکل میں ہو یا عہدہ اور منصب کی صورت میں، اس پر دین وملت کے مفاد کو بھینٹ چڑھا دیتا ہے جو اس کے ایمان وعقیدہ، دینی وملی غیرت وحمیت کے سراسر خلاف ہوتا ہے اور اس سے قوم وملت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے، قوموں کی زندگی میں بعض ایسی نازک گھڑیاں بھی آتی ہیں جن میں بہت سوچ سمجھ کر اہل علم ودانش اور بہی خواہان قوم کے رائے ومشورہ سے اقدام کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور اس میں کوتاہی سے پوری قوم کو اس کا نقصان پہونچتا ہے، کبھی کبھی ایک شخص کی نادانی پوری قوم کو ذلت ورسوائی کے غار میں ڈھکیل دیتی ہے:

چو از قومے یکے بے دانشی کرد
نہ کہ را عزتے ماند نہ مہ را

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے بھی اپنے معمولی سے فائدہ کے لیے قوم وملت کو نظر انداز کیا ہے، انھوں نے اپنی ذلت ورسوائی کے ساتھ قوم کو بڑے خطرے میں ڈال دیا ہے، اس وقت ملت اسلامیہ جن خطرات سے دوچار ہے، ان خطرات میں بڑے غور وفکر اور عقل وہوش سے کام لینے کی ضرورت ہے، نہایت سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے، ہمیں اچھی طرح یاد رکھنا چاہیے کہ قوموں کی زندگی میں کچھ ایسے نازک لمحات بھی آتے ہیں کہ ان لمحوں کی خطا صدیوں کی سزا کا دروازہ کھول دیتی ہے اور شاعر کو دل پر ہاتھ رکھ کر کہنا پڑتا ہے:

لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

جب مومن کا ایمان وعقیدہ وہ ہے جس کا اوپر ذکر ہوا، تو اس کے سامنے آج کی موجودہ دنیا میں جس میں چھن چھن میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، گھڑی گھڑی میں انقلاب اور عروج وزوال کا سین سامنے آتا رہتا ہے، کیوں ایک بندۂ مومن قوم کے مفاد کو نظر انداز کر کے، غدار قوم بن کر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دے، وہ رزق، وہ منصب جو بندۂ مومن کے ایمان پر داغ لگائے، پاؤں سے روند دینے کے قابل ہے نہ کہ اس کے سامنے سر جھکایا جائے، جس رزق سے ایمان کے بال وپر کٹتے ہوں اسے یہ کہہ کر:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

لات ماردینا چاہیے، یہ کتنی ستم ظریفی کی بات ہوگی کہ کسی صاحب ایمان کو خرید لیا جائے، اس کا سودا کرلیا جائے، یہ تو ممکن ہے کہ ایک مسلمان اپنے مخلصانہ عمل اور جدوجہد کے بعد دھوکہ کھا جائے، مگر یہ بات ناممکن ہونی چاہیے کہ وہ بک جائے، اس کو خرید لیا جائے، مگر یہ کتنی تلخ حقیقت ہے کہ اس وقت اس باغیرت قوم کی خرید وفروخت کا جال بچھا دیا گیا ہے اور وہ اس کا دانستہ یا نادانستہ شکار ہورہی ہے جس کے نتیجہ میں ایسے مناظر سامنے آتے ہیں جہاں دل تھام کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ:

حمیت نام ہے جس کا گئی تیمور کے گھر سے

قوم کی آنکھوں کا تارہ وہی شخص بنتا ہے جو ہر حال میں قومی اور ملی مفاد کو مقدم رکھتا ہے اور اس کے لیے سب کچھ قربان کردینے کے لیے تیار رہتا ہے، کوئی پیش کش اور لالچ اس کے پائے ثبات میں جنبش نہیں پیدا کرسکتی، اس کی قومی حمیت مال وزر کے ڈھیر کو ریت کے ٹیلہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی، اقبال نے مرد خدا کے بارے میں کہا ہے:

قوموں کی قسمت وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈھی سلطاں کی درگاہ

موجودہ حالات اور فساد وبگاڑ کا چھایا ہوا کہر دیکھ کر کم ہمت لوگ مایوسی کی بات کرنے لگتے ہیں، اور مایوسی ایسا روگ ہے جو شیر دل انسانوں کو گیدڑ اور لومڑی کی زندگی گذارنے پر آمادہ کردیتی ہے، یقین واعتماد اور ہمت وحوصلہ جس میں ایمان کی روح کارفرما ہو، وہ جوہر ہے جو مایوسیوں کی شب تاریک کو سفیدیٔ صبح میں تبدیل کردیتا ہے:

گماں آباد ہستی میں یقیں مرد مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

حالات کتنے ہی مایوس کن ہوں، بندۂ مومن کے لیے مایوسی کفر ہے، بندۂ مومن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایمان کے ان تقاضوں کو پورا کرے، جس کو قرآن کریم نے اللہ کی مدد سے تعبیر کیا ہے، تو اللہ تعالیٰ اپنا یہ وعدہ پورا فرمائے گا کہ بندۂ مومن کی مدد کرے اور سخت طوفانوں میں اس کے قدم جمائے، اس کا وعدہ ہے: ”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ“۔ (اے اہل ایمان! اگر تم خدا کی مدد کروگے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا)۔

یہ خدائی وعدہ کسی خاص عہد کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ خاص عمل ”إِن تَنصُرُوا اللَّهَ“ کے ساتھ مخصوص ہے، جب بھی یہ عمل پایا جائے گا خدا کی مدد بھی اپنا جلوہ دکھائی گی، اور اس وقت بھی اپنا جلوہ دکھا سکتی ہے:

اس دور میں بھی مردِ خدا کو ہے میسر
جو معجزہ پربت کو بنا سکتا ہے رائی

☆☆☆☆☆

نظر افروز

شرفا اور اونچے گھرانوں کی خاص بیماریاں

اور ان کے لیے ترقی کا واحد راستہ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

خواص کے ساتھ خصوصی معاملہ

میں صرف ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون امت مرحومہ کے ساتھ الگ ہے، اور دوسری قوموں کے ساتھ الگ ہے، اور ہم آپ سب بھی ایسا کرتے رہتے ہیں، مثلاً مکتب میں کئی لڑکے بٹھائے جائیں، تو ایک لڑکا جس سے دور کا تعلق نہیں، کہیں پاس پڑوس کا آگیا ہے، کسی نے بھرتی کردیا ہے، اس کے خاندان کو بھی ہم نہیں پہنچانتے، اس سے کسی قسم کا جذباتی، خاندانی لگاؤ نہیں، وہ اگر نہیں پڑھتا تو استاد یا مدرسہ کے جو ذمہ دار ہوتے ہیں، وہ طرح دے جاتے ہیں، اور چشم پوشی کرتے ہیں، سُنی اَن سنی بھی کردیتے ہیں، بھاگ جائے تو بھاگنے دیتے ہیں، لیکن گھر کا کوئی لڑکا، کسی معزز گھرانہ کا جن کا اس مدرسہ کے قائم کرنے میں خاص ہاتھ ہوتا ہے، ان کا بڑا احسان ہوتا ہے، یا مدرسہ کے پڑھانے والے استاد وغیرہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ایسے کسی گھر کا لاڈلا بچہ مکتب میں داخل ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوتا، سبق یاد کرے نہ یاد کرے، چلو چلتے دو وقت پورا کر کے چلا جائے، یا بھاگتا ہو، چوری کی عادت پڑجائے تو ایسے ہی منھ پھر لو، آنکھ بند کرلو، یہ نہیں ہوا کرتا، پھر اللہ تعالیٰ کا اس امت مرحومہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے اپنا جو قانون بنادیا ہے، عزت کا اور ترقی کا، اس قانون پر چلے بغیر اس کی عزت اور ترقی نہیں ہوسکتی۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

پھر اس امت مرحومہ میں بھی جن خاندانوں کے افراد کی رگوں میں صدیق اکبرؓ کا خون ہو، فاروق اعظمؓ کا خون ہو، سیدنا عثمان غنیؓ کا خون ہو، سیدنا علی مرتضیٰؓ کا کون ہو، حضرات انصار کا خون ہو، مہاجرین کا خون ہو، اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح کی ڈھیل نہیں دیتا، ان کے لیے قانون یہ ہے کہ دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں یہ سمجھیں کہ اگر کسی کے لیے کوئی بات ایک مرتبہ ضروری ہے، تو ہمارے لیے چار مرتبہ ضروری ہے، اگر کسی کے لیے فرض پڑھ لینا کافی ہے، تو ہمارے لیے سنتیں پڑھنا بھی اور نفلیں پڑھنا بھی ضروری ہے، اس لیے کہ ''نزدیکاں بیش بود حیرانی'' جو جتنے نزدیک ہیں، جن کا جتنا قرب ہوتا ہے، ان کو اتنی ہی احتیاط کرنی پڑتی ہے، دیکھئے نا! بادشاہوں کے دربار میں جن کو پاس کرسی ملتی ہے، اور جو بڑے عہدہ دار ہوتے ہیں، وہ مکھی بھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتے، اور دوسرے دو آپس میں باتیں بھی کرسکتے ہیں، لڑ جھگڑ بھی سکتے ہیں، لیکن جو بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوتا ہے، اس کو اگر کھجلی معلوم ہوتی ہے تو ہاتھ نہیں ہلاسکتا۔

بابر کتنا بڑا فاتح گذرا ہے، اس نے ہندستان میں سب سے زیادہ مضبوط، سب سے زیادہ لمبی عمر کی سلطنت قائم کی، اس نے کہا کہ میری زندگی میں سب سے بڑے امتحان اور نازک وقت دو گزرے ہیں، اس وقت جب میں ایک سفر میں ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا تھا، میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ اپنا منھ کھولے ہوئے میرے منھ کے قریب پھنکار رہا ہے، کالا سانپ بڑا زہریلا، اب میں اگر حرکت کرتا ہوں تو مجھے ڈس لے گا، یا معلوم نہیں منھ میں چلا جائے؟ اور اسی حال پر رہے تو بھی چھوڑے گا نہیں، بس میں نے ہمت کی اور اپنے منھ سے اس کے منھ کو دبالیا، اور دبائے دبائے اس کو کچلا ہوا اٹھایا اور اٹھ کر کے اس کو دور جا کر پھینکا اور مارا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ میں دربار کر رہا تھا، سلطنتوں کے سفیر آئے ہوئے تھے، مجھے اس زمانہ میں داد کی بیماری تھی، کھجلی کا شدید تقاضا ہو رہا تھا، اور میں کھجلا نہیں سکتا تھا کہ بادشاہ دربار میں کھجائے، اس کے داد ہو یا خارش ہو، اس کے ضبط کرنے میں جو میری حالت ہوئی وہ میں ہی جانتا ہوں، آپ دیکھئے اتنے بڑے بادشاہ نے کتنی بڑی بڑی مہمیں سر کی ہیں، اور کیسی کیسی فتوحات اور خطرہ سے دو چار ہوا ہے، وہ ان دو واقعوں کا ذکر کرتا ہے، بات کیا ہے؟ کہ جو بات ایک معمولی آدمی کے لیے صرف جائز ہی نہیں، مستحق ہے، وہ ایک ذمہ دار آدمی کے لیے غیر مستحسن ہے، اور بڑے عیب کی بات ہے، کھجانا کوئی عیب کی بات ہے؟؟ نہ شرعاً، نہ اخلاقاً، نہ قانوناً، نہ طبی اصول سے، لیکن اس کو خیال تھا کہ میں اس وقت دربار کر رہا ہوں، سلطنتوں کے سفراء حاضر ہیں، اور دم بخود کھڑے ہیں، اور میں کھجا رہا ہوں، یہ میرے لیے مناسب نہیں۔

یہی نامی گرامی خاندانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ ان کی ذراسی غلطی، اور ان کی ذراسی ناقدری (غلطی بھی اتنی بڑی چیز نہیں ہے جتنی ناقدری) اللہ کی شریعت کی ناقدری، اس پر نہ چلنا جس پر ان کے بزرگوں نے، اسلاف نے سرکٹادیئے ہیں، اس پر وہ انگلی بھی نہ ملائیں، اس پر وہ چار پیسے کا نقصان بھی نہ برداشت کریں، اپنے بچے کے لیے ذراسا خطرہ بھی نہ مول لیں کہ یہ دینی تعلیم حاصل کرے گا، یہ نیک دین دار بنے گا، تو اتنی بڑی تنخواہ نہ ہوگی، اتنی بڑی آمدنی نہ ہوگی جو دوسروں کی ہے، جنھوں نے دنیا کا راستہ اختیار کیا، تو دین کی اس ناقدری کو اللہ معاف نہیں کرتا۔

شرفا کی بستیوں میں فلاکت کیوں؟

میں ملک ملک پھرا ہوں، اور ہندستان کا توچپہ چپہ تقریباً دیکھا ہوا ہے، میں نے ہر جگہ شرفا کی بستی میں فلاکت دیکھی خود ہمارے خاندان کی بعض بعض بستیوں میں جہاں ہمارے بزرگ تھے، اور جہاں ان کے مزارات ہیں، اور بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں، آج وہاں جایئے تو بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاکت برستی ہے، اور فلاکت کیا برستی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تختہ ہی الٹ گیا ہے، ایسی شرفاء کی بستیاں ہمارے اودھ میں بہت ہیں، بات کیا ہے، محض اللہ کی شریعت کی ناقدری اور دین کو اپنے لیے باعث ترقی نہ سمجھنا، باعث کامیابی نہ سمجھنا، دنیا کو اپنے لیے باعث کامیابی سمجھ لینا، یہ بات اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی بری معلوم ہوتی ہے، لیکن جو صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں، اور اپنے کو اشراف کہیں، ان کے لیے تو بالکل ناقابل برداشت ہے، اس کا اثر ضرور ہوتا ہے، ہمارے اور آپ کے لیے ترقی کا راستہ دین اور علم دین کا راستہ ہے، اس میں جو آسانی ہمیں تھوڑی محنت سے ہوگی، وہ دوسرے راستوں میں بڑی محنت سے بھی نہیں ہوگی۔

تاریخ بستیوں اور اونچے خاندانوں کی خاص بیماریاں اور کمزوریاں

یہ آپس کی ناچاقیاں ان بستیوں اور خاندانوں کی خاص بیماری ہے، میں نے اشراف میں اکثر یہ مصیبت دیکھی، گھر گھر لڑائی، بھائی بھائی سے دل صاف نہیں، شرفا اور خاندانی لوگوں میں یہ بیماری ایسی پائی جاتی ہے کہ اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی ان لوگوں میں نہیں ہے، جنہوں نے سو برس سے اسلام قبول کیا ہے، دو سو برس سے اسلام قبول کیا ہے، وہ خوب پھل پھول رہے ہیں، ماشاءاللہ بڑے متحد، متفق ہو کر رہ رہے ہیں، ان کے اندر حفظ قرآن کا رواج ہے، علم دین حاصل کرنے کا شوق ہے، میں نام نہیں لیتا، نومسلم ہونا کوئی عیب نہیں، صحابۂ کرامؓ سب نومسلم تھے، یہ حضرات معلوم نہیں سو برس، دو سو برس، چار سو برس سے اسلام لائے ہوں گے، اور بڑے اہل اللہ کے ہاتھوں پر معلوم ہوتا ہے اسلام لائے ہیں، لیکن ان کے خاندانوں میں ایسی برکت دیکھی، شریعت کا احترام، نماز کی پابندی، اور ماشاءاللہ اولاد میں بھی برکت جو ہمارے یہاں شرفا کے یہاں نہیں ہے، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کا رواج، ایسے ایسے جید علماء ان برادریوں میں ہیں کہ سادات اور شیوخ میں ان کا آدھا بھی کوئی نہیں، بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے عالم، کیا بات ہے، انھوں نے اللہ کے دین کی قدر کی، شریعت کی قدر کی، اور وہ نفسانیت کہ ہر ایک کہتا ہے - ہم چو من دیگرے نیست - وہ بات ان کے اندر نہیں تھی یا کم تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے یہ نعمت و برکت ان کو عطا فرمائی۔

اتحاد واتفاق کے لیے ایثار و قربانی

دو تین باتیں ہیں جو میں عرض کرتا ہوں، الحمدللہ سب کام کی باتیں ہو چکی ہیں، ایک تو اس ناچاقی اور نااتفاقی سے بچیئے، اور خدا کے لیے اس کو دور کیجیے، اور اللہ کی خوشی کے لیے مل جایئے، اور یہ کہہ کر اپنے بھائی کے پاس جایئے کہ کوئی مجبوری نہیں ہے، ابھی دس برس آپ سے اور لڑسکتا ہوں، مقدمہ بھی لڑسکتا ہوں، اور جسمانی طور پر بھی لڑسکتا ہوں، لیکن محض خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی کے لیے، اللہ کو راضی کرنے کے لیے، ایثار کر کے میں اپنا حق معاف کرتا ہوں، اور آپ سے ملتا ہوں، اور باقی اب آگے جو کچھ بھی ہو، جو لوگ ایسا کریں گے میں سمجھتا ہوں کہ انہیں بڑی بڑی نفل نمازوں سے اور ممکن ہے کہ نفلی حج سے بھی زیادہ ثواب ملے، اس لیے کہ یہ نفس کے خلاف کرتا ہے، اور نفس کے خلاف میں اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور ثواب ہے، وہ نفس کی لذت کے ساتھ نہیں، ماشاء اللہ نفلی حجوں میں تو بڑے حظ ہیں، دور جانا، نئی نئی چیزیں دیکھنا، نئی نئی چیزیں لے کر آنا، اب تو نئی نئی چیزیں دیکھنا ہی نہیں رہا، نئی چیزیں جو یہاں نصیب نہیں ہوتیں، دیکھنے میں نہیں آتیں، وہاں سے لایئے، اور چاہے خود رکھئے، چاہے تحفہ میں دیجیے، چاہے فروخت کیجیے، بہرحال اب تو ان چیزوں میں بڑا ثواب ہے، اللہ کے لیے دل کو صاف کرلینا، کدورت کو نکال دینا؟ بچھڑے ہوئے بھائی سے مل جانا، بلکہ ان لوگوں سے بھی ملنا جنھوں نے کھلی ناانصافی کی۔

حضرت ابوبکرؓ کا کارنامہ

اس ایثار کا سب سے بڑا نمونہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ان کو ان کے ایک عزیز (مسطح بن اثاثہ) نے ایسی تکلیف پہنچائی تھی، جس سے بڑھ کر تکلیف کا تصور کوئی شریف آدمی کر نہیں سکتا، اور ان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے، اس لیے کہ ہمیں آپ کو تکلیف پہنچے، یہاں کسی بیٹی کے باپ کو تکلیف پہنچے، تو ایک ہزار بیٹی کے باپ ایک طرف، اور اس بیٹی کا باپ جس کا نام ابوبکرؓ تھا، ایک طرف، اور بیٹی بھی کس کی، اور کس کی بیوی؟ اس مسئلہ کا تعلق اس ذات سے تھا جن سے ان کو عزت حاصل ہوئی تھی، عزت کیسی عزت؟ اس پر بٹہ لگایا، اس پر حملہ کیا، اس سے بڑھ کر کسی شریف آدمی کے لیے کیا، کسی حساس آدمی کے لیے بھی، زندہ آدمی کے لیے بھی، کوئی آزمائش ہوسکتی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

”وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔“ [سورہ نور:۲۲] (اور جو لوگ تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے)۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ گنجائش دی ہے، اور کچھ عطا فرمایا ہے، ان کو اس بات میں کمی نہیں کرنی چاہیے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو دیں ”وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا“ اور ان کو چاہیے کہ اگر ان کی کوئی بات بری لگی ہے تو معاف کردیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو بند کردیا تھا، وہ جاری کردیا، اور معاف کردیا، اور کہا کہ بیشک میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے، بیشک مجھے اس کی ضرورت ہے کہ اللہ مجھے معاف کرے، اس سے بڑھ کر کوئی نمونہ نہیں ہوسکتا، صلۂ رحمی کا، اور پھر حدیث میں آتا ہے کہ:

”لیس الواصل بالمکافي ولکن الواصل الذي إذا قطعت رحمه وصل“ رشتہ، ناتوں کو جوڑنے والا وہ نہیں ہے، جو بدلہ دینے والا ہو، ہم سے کوئی رشتہ جوڑ رہا ہے تو ہم بھی جوڑ رہے ہیں، اصل رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ اس کا رشتہ توڑا جائے تو وہ جوڑے۔

شریعت پر عمل نہ کرنے کی بے برکتی

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی، بلکہ میں یہاں تک کہہ دوں کہ صحیح طریقہ پر میراث نکالنا، ترکہ تقسیم کرنا، بہنوں کا حق دینا، پھوپھیوں کو حق دینا اور جس کا جو حق ہے، اس کو پہنچانا، ان میں غفلت کی وجہ سے بڑی بے برکتی ہے، آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خاندانوں میں بڑی بڑی جائدادیں ہیں، لیکن فلاکت برستی ہے۔

تیسری بات (جو مولوی معین اللہ صاحب نے کہی کہ) بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا، یہ نہ سمجھنا کہ ان کو دینی تعلیم دی تو یہ کھوئے جائیں گے، یہ ہمارے کام نہیں آئیں گے، انھوں نے کھول کھول کر مثالیں دیں اور نام لے لے کر ایک ایک آدمی کا ذکر کیا کہ اللہ نے اس پر کیا فضل فرمارکھا ہے۔

اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ شرفا کی بستی میں اس وقت تک برکت، خدا کی رحمت، اور ہر چیز میں کام یابی نہیں ہوسکتی ہے، جب تک کہ اللہ کی بھیجی ہوئی، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کا احترام نہ کیا جائے، جتنا ہوسکے اس کی پابندی کریں، اللہ کے دین کے بارے میں ہمارے اندر غیرت ہونی چاہیے، تبلیغ کے عنوان سے مولوی معین اللہ صاحب نے بیان کیا کہ دین کو باقی رکھنے کے لیے ساری دنیا میں ایک کوشش ہے، اس میں آپ حصہ لیں۔

عربوں سے عبرت لیجیے!

اخیر میں یاد رکھئے کہ آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں ہے، بس یہ پکی بات ہے، سن لیجیے، ایک وہ موقع آیا تھا کہ عربوں نے کوشش کی تھی، اور جان توڑ کوشش کی تھی، کہ وہ دنیا کے راستہ سے بلکہ دین کے خلاف راستہ اختیار کر کے کامیابی حاصل کرلیں تو اللہ نے ان کو منھ کے بل گرایا، اور ایسا ذلیل کیا کہ صدیوں سے ایسے ذلیل نہیں ہوئے تھے، مجھے اسی زمانہ میں جانے کا موقع ملا، اور میں نے وہاں جدہ میں مکہ مکرمہ میں خطاب کیا، اور کہا دیکھو بھئی! تُرک کام یاب ہوجائیں، ایرانی کام یاب ہوجائیں، تم کبھی کام یاب نہیں ہوسکتے، اللہ میاں تمھیں کان پکڑ کر کے اور باندھ کر کے لائیں گے، اور دین ہی کے دروازہ پر تم کو ڈالیں گے، اگر کچھ ملے گا تو یہیں کی بھیک ملے گی، یہیں کی خیرات ملے گی، تم سو سر کے ہوجاؤ تم کام یاب نہیں ہوسکتے، ہم نے کہا تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقدر یہی ہے کہ تم دین کے راستہ سے پاؤ تو کچھ پاؤ، یہی میں آپ سے کہتا ہوں، اور ان سب لوگوں سے کہتا ہوں، جن کے آباواجداد میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی ہستیاں پیدا کیں، اور جن کی بستیوں میں دین کا بہت کام ہوا، اچھے اچھے لوگ پیدا ہوئے، تمہاری فلاح دین کے اوپر چلنے میں ہے، دس باتوں کی، پچاس باتوں کی یہ ایک بات ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمد واله وصحبه وسلم۔

☆☆☆☆☆

مغربی سامراج

مسجد اقصیٰ اور فلسطین میں

اسرائیلی جارحیت اور مغربی ممالک کا کردار

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

مغربی ممالک نے گذشتہ دو صدیوں میں عالم اسلام کے مختلف حصوں پر اپنا اقتدار قائم کیا تھا، اور صلیبی جنگیں جن میں ترکی سلطنت نے برابر کامیابی یہاں حاصل کی تھیں اور مغربی جارحیت کو مشرق میں اپنے قدم جمانے کا موقع نہیں دیا تھا، مغربی مفکرین اور سیاستدانوں کے ذہن سے محو نہیں ہوسکی تھیں، جس کی بنا پر مغربی طاقتوں نے انتقامی جذبہ سے مسلمان ملکوں میں معاندانہ رویہ اختیار کیا، اور ان ممالک کے اصل باشندوں کو ان کے وطنی حقوق سے محروم رکھنے کا برا رویہ اختیار کیا۔ اس سلسلہ میں ظلم کی داستانیں ان ملکوں کی آزادی کی جنگ کی تاریخ میں ملتی ہیں۔ بالآخر جنگ عظیم دوم جو خود یورپ کے ملکوں کے درمیان چھڑی اور اس نے ان کی طاقتوں کو بہت کمزور کردیا، اور وہ مشرقی ملکوں کو آزادی دینے پر مجبور ہوئیں، لیکن ان کا نقطۂ نظر تبدیل نہ ہوسکا، اور ان ملکوں کو براہ راست غلام بنائے رکھنے کے بالواسطہ غلام بنانے کا طریقہ اختیار کیا، اور اپنی اقتصادی اور سیاسی پالیسیوں کے ذریعہ ان ملکوں کو اپنے مفاد کے مطابق کام کرنے پر مجبور کیا، اور ایسے معاملات ابھار دیے کہ جن میں ممالک الجھے رہیں، اور اپنے اتحاد اور ملی مقاصد کے لیے آزادی سے کام نہ کرسکیں، جن کے لیے ایک طرف برصغیر میں تناؤ برابر جاری رکھنے کے مسائل پیدا کیے، اور دوسری طرف مشرق وسطیٰ میں اسرائیلی عمل دخل کو یقینی بنانے کا انتظام کیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج فلسطین میں اسرائیلی حکومت اس کے پڑوس کے سارے ملکوں کے لیے ایک سخت پریشانی، اذیت اور تناؤ کا مسئلہ بن گیا ہے، اسرائیل کا اس علاقہ میں شروع میں کوئی وجود نہیں تھا، برطانیہ اور مغربی ملکوں نے اس کو وہاں دخیل بنایا پھر مسلسل اس کی مدد کرکے اس کو ایک مضبوط طاقت بنادیا جس نے اپنے اثرات بڑھائے اور علاقہ کے اصل باشندوں کی بہت بڑی تعداد کو جو لاکھوں میں شمار کی جاتی ہے وطن سے بے وطن کردیا، اور جو وہاں رہ گئے، اور ملک بدر نہ ہوسکے ان کو غلاموں کی طرح باقی رکھا گیا۔ اور اس سے زیادہ اذیت ناک بات یہ ہوئی کہ ان کے مقدس مقامات کو بگاڑنے اور بدلنے کی کوشش شروع کی گئی جو خطرناک حد تک پہونچ گئی ہے، اسی وجہ سے صرف وہیں کے عرب اور مسلمانوں کے لیے پریشانی کا مسئلہ نہیں رہا بلکہ دنیا میں بسنے والے سارے عرب اور مسلمان اس سے پریشان اور فکر مند ہوگئے، اس سلسلہ میں فلسطین کے باشندوں نے اپنی دینی و اسلامی حمیت کے اثر سے مقابلہ کی جو کوشش کی اس کو سخت سفاکانہ طریقہ سے دبانے کی کوشش کی جارہی ہے، اور اس کے اثر سے وہاں کے باشندوں میں اپنے ملی اور دینی مقدسات کی حفاظت کے لیے جو حرکت اور جوش پیدا ہوا اس نے غاصب طاقت کو متفکر کردیا ہے۔ لیکن اس کے کچلنے کے لیے وہ ہر طرح کے حربے اختیار کررہی ہے۔ اور مسئلہ صرف یہی نہیں ہے کہ اسرائیلی طاقت عربوں اور مسلمانوں کو دبانے کی کوشش کررہی ہے اور مسلمان اس کا مقابلہ کررہے ہیں بلکہ مغربی طاقتیں برابر اسرائیل کو تعاون اور مدد سے مضبوط بنارہی ہیں، یہ سلسلہ یوں تو طویل عرصہ سے جاری ہے لیکن اس وقت اس نے جو شکل اختیار کرلی ہے وہ پورے علاقے کے امن وامان کے لیے بڑا خطرہ بن گئی ہے، کس قدر زیادتی اور ظلم کی بات ہے کہ مسجد اقصیٰ جو صرف یہی نہیں کہ مسلمانوں کی مقدس مسجد ہے بلکہ وہ انہی کی آبادی کے درمیان ہے، اور وہ بری طرح اس سے وابستہ ہے اس کو توڑ کر یہودی عبادت گاہ بنانے کی یہ کوشش پوری طاقت اور جبر کے ساتھ متمدن کہلائی جانے والی مغربی طاقتوں کی مدد کے ساتھ کی جارہی ہے، ایسی صورت میں فلسطین کے صرف عرب مسلمان ہی نہیں بلکہ پورے ممالک عربیہ اور ممالک اسلامیہ کے مسلمانوں کے لیے بھی بے چینی کا اور ملی غیرت کا مسئلہ بن گیا ہے، اس میں دشواری یہ ضرور ہے کہ مسلمان اور عرب ممالک کی حکومتیں مغربی طاقتوں کے دباؤ سے وہ نہیں کررہی ہیں جو ان کو کرنا چاہیے، لیکن ان ملکوں کے مسلمان عوام کا دباؤ ان کو بالآخر مجبور کرے گا کہ اس شرارت اور ظلم کا وہ مداوا کرنے کی صحیح فکر کریں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حالات کو بہتر بنائے اور باطل طاقتوں کو حق کے مقابلہ میں ناکام اور نامراد بنائے۔

☆☆☆☆☆

فکر ونظر

اغراض وتعصّبات سے مکمل آزادی

عالم اسلام کی اہم ضرورت

تحریر: مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی
ترجمانی: محمد فرمان ندوی

پوری انسانی تاریخ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک انسانی اقدار کے فروغ کی غیر معمولی کوششوں سے معمور ہے، انسان نے برابر علم و سعادت مندی کے حصول کے لیے انتھک کوششیں صرف کی ہیں، تاکہ وہ محبت والفت کے ماحول میں زندگی گذار سکے، اور نیکی اور تقوی کی بنیاد پر ایک دوسرے کا تعاون کر سکے، بلاشبہ باہمی تعاون تمام معاشرتی اکائیوں میں پرسکون زندگی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے، اور عدم تعاون سے فساد و انتشار کی فضاء قائم ہوتی ہے، اور بے کیفی اور بدمزگی جنم لیتی ہے، اور معاشرہ جہنم کدہ ہوجاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کوئی معاشرہ باہمی تعاون کے عنصر سے خالی نہیں رہ سکتا، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اس تعاون سے بے شمار کارنامے وجود میں آتے ہیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اگر تعاون حق کی راہ میں ہے، تو اس کے اچھے نتائج ظاہر ہوں گے اور اگر باطل کے لیے ہے تو برے نتائج ظاہر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی مثال قرآن کریم میں اچھے کلمے اور برے کلمے سے دی ہے: ”أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ، تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا، وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الأَمْثَالَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ“ [سورۃ ابراھیم: ۲۴-۲۵] (اچھے کلمے کی مثال پاکیزہ درخت سے جس کی جڑیں زمین میں پیوست ہوں اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہوں، اور برے کلمے کی مثال اس گندے درخت سے دی ہے، جو زمین کے اوپر ہی اوپر اکھاڑ لیا جائے، اور اسے کچھ بھی ثبات نہ ہو)۔

ہر کوشش اور عمل میں سنجیدگی اور غیرت وخودداری ہی اس کی کامیابی کی ضامن ہے، اور اگر اس میں ان کا فقدان ہے تو اس کے نتیجہ میں انتشار وافتراق اور لاقانونیت کا پیدا ہونا ناگزیر ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے معجزانہ اسلوب میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے: ”وَأَنْ لَيْسَ لِلْإِنْسَانِ إِلَّا مَا سَعَى، وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى، ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الأَوْفَى“ (ہر انسان کے لیے وہی ہے جس کی اس نے کوشش کی، اور اس کی کوشش بہت جلد دیکھ لی جائے گی، پھر اس کو بھر پور بدلہ دیا جائے گا) [سورۂ نجم: ۳۹-۴۲] یہی وجہ ہے کہ جس نے اللہ کی مرضیات کے مطابق زندگی گذاری، اور پوری زندگی کو اسی کے تابع کر دیا، اور جس نے دنیوی مال ومتاع کو آخروی انعامات پر ترجیح دی، وہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”فَأَمَّا مَنْ طَغَى وَآثَرَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْجَحِيمَ هِيَ الْمَأْوَى، وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَى“ [النازعات: ۳۷-۴۱] (جس نے سرکشی کی اور دنیوی زندگی کو ترجیح دیا، تو جہنم اس کا ٹھکانہ ہے، اور جو اپنے رب کے سامنے حاضر ہونے سے ڈرا، اور اس نے نفس کو خواہشات سے دور رکھا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے)۔

سورۂ نجم کی آیت میں ”انسان“ کا لفظ استعمال، کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی عظیم مخلوق ہے، اسی کے اردگرد پورا نظام ارضی وسماوی گردش کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا کیا، اور نوع بنوع کے وسائل و ذرائع عطا فرمائے، اور زندگی گذارنے کے لیے ایک نظام اور دستور بھی دیا، جو شخص اس نظام سے مربوط ہو کر زندگی گذارے گا، اور قرآنی رہنمائیوں کے مطابق اس کی زندگی ہوگی، تو اس کے لیے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں دائمی کامیابی مقدر ہوگی، اس کے برخلاف اگر اس کو دنیوی چمک دمک نے دھوکہ میں رکھا، اور وہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا ادراک نہ کر سکا، اور اس کے لطف وکرم سے دور رہا، اور اس نے اپنی عقل ودانش کو بھی استعمال نہیں کیا تو اس کو ہر مرحلہ میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا، انسانیت کا وجود دراصل رب کائنات کی محکم تدبیر کا نتیجہ ہے، اسی نے انسان کو مرد وعورت کے مخلوط نطفہ سے پیدا کیا، آزمائش اور امتحان کے لیے، پھر وہ سننے اور دیکھنے والا ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ، فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعاً بَصِيراً، إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِراً وَإِمَّا كَفُوراً“ (بے شک ہم نے ہی انسان کو پیدا کیا مخلوط نطفہ سے کہ ہم اسے آزمائیں، سو ہم نے اسے سنتا دیکھتا بنایا، ہم ہی نے اس کو راستہ بتایا (پھر) یا تو وہ شکر گذار (ہوا) اور یا کافر ہو گیا)۔

انسان کی تخلیق اس مادی دنیا میں مرد وعورت کے ذریعہ ہوئی، اور اس کو انسانیت کا تمغۂ امتیاز دیا گیا جو قوت سمع وبصر میں خاص طور نمایاں ہے، اور

وہی اس کے لیے عزت وسعادت کے راستے ہموار کرتی ہے، چنانچہ انسان یا تو اللہ کا شکر گذار ہوتا ہے، یا ناشکرا ہوتا ہے، سید قطب شہیدؒ فی ظلال القرآن میں اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

''اللہ نے انسان کو سننے اور دیکھنے والا بنایا ہے، یعنی اس کو ایسے وسائل فہم وادراک دئے ہیں، جن کے ذریعہ وہ دوسری معلومات حاصل کرسکتا ہے، اور اشیاء اور قدروں کی معنویت کا احساس کر کے ان سے استفادہ کی شکلیں تلاش کرسکتا ہے، اس لیے اللہ تعالی نے اس نوع انسانی کی خلقت میں بے شمار حکمتیں پوشیدہ رکھی ہیں، یہ کوئی اتفاقی معاملہ نہیں، بلکہ حکمت والے اور غالب اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے''۔

یہ دنیا دار الامتحان ہے، اللہ تعالی نے یہ امتحان اس لیے رکھا ہے، تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون اس کا اطاعت گذار ہے اور کون نافرمان، اسی حقیقت کو کبھی سورۂ والعصر میں اس طرح بیان کیا گیا ہے: ''وَالْعَصْرِ، اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ، اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ'' (قسم ہے زمانہ کی کہ انسان گھاٹے میں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے، اور نیک عمل کیے اور حق کی ایک دوسرے کو تلقین کی اور صبر کی نصیحت کی) اور کبھی سورۂ معارج میں ان الفاظ میں آیا ہے: ''اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعاً، اِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوْعاً، وَ اِذَا مَسَّهُ الْخَیْرُ مَنُوْعاً، اِلَّا الْمُصَلِّیْنَ الَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ، وَالَّذِیْنَ فِیْ أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُوْمِ'' [معارج:۱۹-۲۵] (انسان بے ہمت پیدا کیا گیا ہے، جب اسے دکھ پہنچتا ہے تو ہائے ہائے کرنے لگتا ہے، اور جب اسے خوشحالی ہوتی ہے تو بخل کرنے لگتا ہے، ہاں البتہ نمازی (اس حکم میں نہیں) جو اپنی نماز میں برابر لگے رہتے ہیں اور جو اپنے مال میں حق رکھتے ہوں جانا ہوا سوالی اور بے سوالی کا) اور سورۂ بنی اسرائیل میں الفاظ میں آیا ہے: ''وَاِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأٰى بِجَانِبِهٖ، وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَؤُوْساً'' [بنی اسرائیل:۸۲-۸۳] (اور جب ہم انسان کو کوئی نعمت عطا کرتے ہیں تو وہ منہ موڑ لیتا ہے، اور اپنی کروٹ پھیر لیتا ہے، اور جب اسے کوئی تکلیف پہونچتی تو ناامید ہو جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ نے شیطان کی گمراہیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا ہے: ''كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اُكْفُرْ، فَلَمَّا كَفَرَ، قَالَ اِنِّیْ بَرِیْئٌ مِّنْكَ، اِنِّیْ أَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعَالَمِيْنَ'' [حشر:۱۶] (ان کی مثال شیطان کی سی ہے جو انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہوجا، پھر جب وہ کافر ہو جاتا ہے تو شیطان کہنے لگتا ہے کہ میرا تجھ سے کوئی واسطہ نہیں، میں تو اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں)، اور اللہ تعالیٰ انسان کی مزاج میں آنے والی تبدیلیوں کا تذکرہ اس طرح فرماتا ہے: ''فَأَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهٗ فَأَكْرَمَهٗ وَنَعَّمَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْ أَكْرَمَنِ، وَأَمَّا اِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ فَيَقُوْلُ رَبِّیْ أَهَانَنِ'' [فجر:۱۵-۱۶] (اب رہا انسان تو اسے اس کا پروردگار جب آزماتا ہے یعنی اسے انعام واکرام دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے میری قدر بڑھا دی، اور جب وہ اسے (اس طرح) آزماتا ہے کہ اس پر اس کی روزی تنگ کردیتا ہے تو وہ یہ کہتا ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے بے قدر کردیا)۔

دنیا کی تاریخ میں انسانوں کے متعدد طبقات اور جماعتیں پائی گئیں، ان میں کچھ ایسی ہیں جو اپنے مقصد حقیقی کو فراموش کر بیٹھی تھی اور جہالت و پستی کی کھائی میں پڑی تھیں، نہ ان کو اپنے روشن مستقبل کی تعمیر کی فکر تھی اور نہ آخرت کا خیال تھا، انہی جماعتوں اور طبقات کی اصلاح کے انبیائے کرام آتے رہے، انہوں نے انسانوں کو اللہ رب العزت سے جوڑا، اور اس کو اپنا حقیقی خالق ومالک ماننے کا درس دیا، اس کے لیے انہوں نے اپنے کو وقف کردیا، چنانچہ جن کے لیے ہدایت مقدر تھی وہ ایمان لائے اور اور جنھوں نے اپنے آپ کو ان سے دور رکھا وہ گمراہ ہوئے۔

سب سے اخیر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ان کی ذات سراپا رحمت تھی، اور پوری انسانیت کی نبی بنا کر بھیجے گئے، ان کو اسلام کی مکمل تعلیمات عطا کی گئیں، اور دین کو تکمیلی انداز میں انسانیت کے سامنے پیش کیا گیا، اور اس کو عام کرنے کے لیے ایسی امت برپا کی گئی جو خیر امت قرار پائی، اس کا مشن یہ تھا کہ وہ بھلائی کا مشورہ دیتی ہے، اور برائی سے روکتی ہے اور اللہ پر ایمان رکھتی ہے۔

مثالی انسان کی تشکیل کے لیے ایسے اداروں، اور تعلیم گاہوں کی شدید ضرورت ہے جو مثبت انداز میں انبیاء کرام کے طریقہ پر لوگوں کی رہنمائی کا کام نجام دے سکیں، کیونکہ یہ ادارے صرف تعلیم ہی ذریعہ نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی تربیت اور اصلاح کر کے ایک قابل تقلید معاشرہ وجود میں لائیں گے، اور امت کو اس عظمت رفتہ کی بحالی پر آمادہ کریں گے اور عمومی شعور کی بیداری میں معاون ہوں گے۔

بحمد اللہ مدارس اسلامیہ جو دنیا کے طول وعرض میں قائم ہیں، ان کے ذریعہ یہ مہتم بالشان کام انجام پا رہا ہے، ماضی میں بھی یہ کام انہیں مدارس کے

ذریعہ ہوا ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے جے پور میں ۱۹۷۶ء میں کیے ہوئے خطاب میں فرمایا:

’’جب انسانیت پر زوال آیا، جب اخلاقیات پر زوال آیا، اور جب لوگوں کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ جو حق و باطل کی بات کہی جاتی ہے، یہ محض زیب داستان کے لیے کہی گئی ہے، اور اس کا کہیں وجود نہیں ہے، حق و باطل کوئی چیز نہیں ہے، حلال وحرام کوئی چیز نہیں ہے، کفر و ایمان کوئی چیز نہیں، غلط صحیح، صواب و ناصواب کوئی چیز نہیں، اصل چیز تو پیسہ ہے، اصل چیز تو طاقت ہے، اصل چیز عہدہ ہے، اصل چیز تو مواقع ہیں، اس وقت مدرسے نے ایسے لوگ پیدا کیے، کوئی ایسا آدمی لا کھڑا کر دیا، ایسا بلند قامت انسان، ایسا کوہ پیکر انسان، جس نے کہا: کچھ نہیں، ہم نہیں جانتے، اور اگر کسی کو اعتبار نہیں آتا تو ہمیں خرید کر دیکھ لے، اگر وہ ہمیں خرید سکتا ہے تو ہم مان لیں گے کہ دنیا میں اخلاقیات کوئی چیز نہیں، اور ان سب پر زوال آگیا ہے تو مدرسہ نے ایسے لوگ پیدا کیے ہیں‘‘۔[مدرسہ انسانیت کی ضرورت:۱۸]

یہ الفاظ انسانیت کے لئے صحیح اور معتبر افراد تیار کرنے والوں کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کافی ہیں، اور ان سے یہ حقیقت عیاں ہو جاتی ہے کہ مدارس نے ماضی میں کیا کارنامے انجام دیے ہیں اور آئندہ ان کے کیا منصوبے اور عزائم ہیں، ان کی کوششوں کا محور صرف دین اسلام تھا، اور وہ ربانی شریعت تھی، جس کو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، اور یہی حقیقی کامیابی اور دائمی فلاح کی بنیاد ہیں: قُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ.

☆☆☆☆☆

محبتِ انسانی کی وسعت

علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ

صدقہ وخیرات کے باب میں گو فقراء اور مساکین میں مسلمانوں کی ترجیح ایک قدرتی باب ہے، تاہم حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں غیر مسلم ذمی مسکینوں کے حق کو بھی تسلیم کیا، قاضی ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ: ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ ایک بڈھا جو اندھا بھی تھا، ایک دروازہ پر کھڑا بھیک مانگ رہا ہے، حضرت عمرؓ نے پیچھے سے اس کے بازو پر ہاتھ مارا اور پوچھا کہ تم کو بھیک مانگنے کی ضرورت کیا پڑی؟ اس نے کہا جزیہ ادا کرنے اور اپنی ضرورت پوری کرنے اور اپنی اس عمر کے سبب سے بھیک مانگتا ہوں، حضرت عمرؓ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لائے اور اپنے گھر سے اس کو کچھ دیا، پھر اس کو بیت المال کے خزانچی کے پاس بھیجا اور کہلوایا کہ اس کو اور اس جیسے لوگوں کو دیکھو، خدا کی قسم ہم انصاف نہیں کریں اگر ہم اس کی جوانی کی کمائی تو کھائیں اور اس کے بوڑھے ہونے پر اس کی مدد چھوڑ دیں، قرآن میں صدقہ کی اجازت فقراء اور مساکین کے لیے ہے، فقرا تو وہی ہیں جو مسلمان ہیں اور یہ لوگ مساکین اہل کتاب میں ہیں، ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔

اسلام کا یہ عام فیصلہ ہے کہ زکوۃ کے علاوہ دوسرے عام صدقے غیر مسلموں کو دیے جاسکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی خاندان کو صدقہ دیا، ام المومنین حضرت صفیہؓ نے اپنے دو یہودی رشتہ داروں کو ۳۰ ہزار کی مالیت کا صدقہ دیا، امام مجاہدؒ نے مشرک رشتہ داروں کا قرض معاف کرنے کو ثواب کا کام بتایا، ابن جریج محدث کہتے ہیں کہ قرآن نے ’اسیر‘ کے کھلانے کو ثواب بتایا ہے، اور ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے قبضہ میں مشرک ہی قید ہو کر آتے تھے، حضرت ابو میسرہؓ اور عمرو بن میمونؓ اور عمرو بن شرحبیلؒ صدقہ فطر سے عیسائی راہبوں کی مدد کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرت عمرؓ نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعضوں کو ان کے مشرک والدین کے ساتھ صلہ رحمی کی اجازت دی۔

تفسیر کی روایتوں میں ہے کہ صحابہ کرامؓ جب مذہبی اختلاف کی بناء پر غریب مشرکوں کی مدد سے کنارہ کرنے لگے تو یہ آیت اتری: ’’لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ وَ مَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ‘‘ یعنی تم کو تمہاری نیکی کا ثواب بہر حال ملے گا۔

مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا: ’’لا يؤمن أحدكم حتى يحب للناس ما يحب لنفسه ،وحتى يحب المرء لايحبه الا لله عز و جل ‘‘ (تم میں سے کوئی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوگا جب تک وہ اور لوگوں کے لیے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے، اور جب تک وہ آدمی کو صرف خدا کے لیے پیار نہ کرے)۔

اس حدیث میں محبت انسانی کی وسعت ساری انسانی برادری تک وسیع کر دی گئی ہے۔

☆☆☆☆☆

ذرائع ابلاغ

یہودی میڈیا اور انسانی حقوق کی پامالی

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

دوسری جنگ عظیم سے پہلے، یہود دنیا کے مختلف ملکوں میں منتشر تھے، وہ یورپ کے جس ملک میں بھی قیام کرتے فساد، بدامنی، جرائم، تشدد، قتل و غارتگری، دینی، سماجی اور اخلاقی بگاڑ کی جڑ سمجھے جاتے، ان کا کوئی وطن نہیں تھا، یہودیوں کی یہ حالت دیکھ کر کسی کو یہ توقع نہ تھی کہ یہ قوم کسی وقت کم تعداد میں ہونے کے باوجود ساری دنیا پر حکمرانی کرے گی، آج اسی کا دنیا کی سیاست، اقتصادیات اور نظام حکومت پر کنٹرول و غلبہ ہے، عالمی سیاست انہی کے بنائے ہوئے خطوط پر چلتی ہے، سارے عالمی ادارے، تنظیمیں، سوسائٹیاں، فورم اور بین الاقوامی انجمنیں انہی کے اشارے پر کام کرتی ہیں، حتی کہ عالمی طاقتوں کے تعاون سے اقوام متحدہ میں اپنے مفادات کے خلاف قراردادوں کو ویٹو کروادیتے ہیں، بلکہ ساری دنیا صہیونی اصول و نظریات اور یہودی سیاست پر عمل کر رہی ہے، اور تمام نظامہائے حکومت صہیونی مفادات کی دانستہ یا غیر دانستہ خدمت کر رہے ہیں۔

دنیا کی سیاست میں اور خود یہودیوں میں اس تبدیلی اور انقلاب کی اصل بنیاد وہ خطرناک منصوبہ ہے جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی پچاس یہودی انجمنوں کے تین سو صہیونی دانشوروں، مفکروں اور فلسفیوں نے پوری دنیا پر حکومت کرنے اور بالادستی حاصل کرنے کے لیے انیسویں صدی کے اوائل میں تیار کیا تھا، اور پھر بیسویں صدی میں اس منصوبہ کو پائے تکمیل تک پہونچانے کے لیے ہر طرح کے جائز و ناجائز طریقے اور ذرائع اختیار کیے گئے۔

۱۸۹۷ء میں سوئٹزرلینڈ (Switzerland) کے پال (Paul) شہر میں تھیوڈر ہرٹزل (Theodor Hertezl) کی قیادت میں ساری دنیا پر حکمرانی کا یہ منصوبہ جس وقت تیار کیا گیا تھا اس وقت یہودیوں کی حالت موجودہ حالت سے مختلف تھی اور ان کا یہ منصوبہ ایک حسین خواب سے زیادہ معلوم نہیں ہورہا تھا، لیکن یہودیوں نے بڑی غیر معمولی ذہانت سے مختلف خانوں میں رنگ بھرنا شروع کر دیا، اور مختلف ذرائع (ذرائع ابلاغ اور ارتکاز دولت) سے بڑی حد تک اپنا ہدف حاصل کر لیا، تسخیر عالم کے اس منصوبہ میں جہاں یہ طے کیا گیا تھا کی تمام دنیا پر حکمرانی کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کرنا ضروری ہے، وہیں اس منصوبہ میں ذرائع نشر و اشاعت کو بھی بنیادی اہمیت دی گئی تھی، صہیونی دانشوروں کی دستاویزات کی بارہویں دستاویز میں صحافت کی غیر معمولی اہمیت، اس کی تاثیر و افادیت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے:

”اگر ہم یہودی پوری دنیا پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کو مرکزی اور بنیادی اہمیت دیتے ہیں تو ذرائع ابلاغ بھی ہمارے مقاصد کے حصول کے لیے دوسرا اہم درجہ رکھتے ہیں ۔ ہم میڈیا کو اپنے قبضے اور قابو میں رکھیں گے، ہم اپنے دشمنوں کے قبضہ میں کوئی ایسا موثر اور طاقتور اخبار نہیں رہنے دیں گے کہ وہ اپنی رائے کو موثر ڈھنگ سے ظاہر کرسکیں اور نہ ہی ہم ان کو اس قابل رکھیں گے کہ ہماری نگاہوں سے گزرے بغیر کوئی خبر سماج تک پہونچ سکے، ہمارے قبضہ وتصرف میں ایسے اخبارات ورسائل ہوں گے جو مختلف گروہوں اور جماعتوں کی تائید و حمایت کریں گے، خواہ یہ جماعتیں جمہوریت کی داعی ہوں یا بغاوت کی حامی، حتی کہ ہم ایسے اخبارات کی بھی سرپرستی کریں گے جو انتشار و بے راہ روی، جنسی و اخلاقی انارکی، استبدادی حکومتوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی مدافعت اور حمایت کریں گے، ہم جب اور جہاں چاہیں گے قوموں کے جذبات کو مشتعل کریں گے، اور جب مصلحت دیکھیں گے انہیں پرسکون کر دیں گے، اس کے لیے صحیح اور جھوٹی خبروں کا سہارا لیں گے، ہم ایسے اسلوب سے خبروں کو پیش کریں گے کہ قومیں اور حکومتیں ان کو قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں، ہم یہودی ایسے مدیروں اور ایڈیٹروں اور نامہ نگاروں کی ہمت افزائی کریں گے جو بدکردار ہوں اور ان کا مجرمانہ ریکارڈ ہو، ہمارا یہی معاملہ بدعنوان سیاستدانوں اور لیڈروں اور مطلق العنان حکمرانوں کیساتھ ہوگا، جن کی ہم خوب تشہیر کریں گے، ان کو دنیا کے سامنے ہیرو بنا کر پیش کریں گے، لیکن ہم جیسے ہی محسوس کریں گے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے نکلے جارہے ہیں بس فوراً ہی ان کی ان برائیوں اور اخلاقی بدعنوانیوں کا اعلان کردیں گے جن پر اب تک ہم نے پردہ ڈال رکھا تھا، اسطرح ہم ان کا کام تمام کردیں گے تا کہ

دوسروں کے لیے عبرت ہو، ہم یہودی ذرائع ابلاغ کو خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعہ کنٹرول کریں گے، ہم دنیا کو جس رنگ کی تصویر دکھانا چاہیں گے وہ پوری دنیا کو دیکھنا ہوگا ، جرائم کی خبروں کو ہم تفصیل سے غیر معمولی اہمیت دیں گے تا کہ قاری کا ذہن تیار ہو، اس انداز سے کہ قاری کو مجرم کے ساتھ ہمدردی ہو جائے‘‘۔

صہیونی دانشوروں نے ذرائع ابلاغ کی اہمیت کا ادراک بہت پہلے کرلیا تھا، ۱۸۶۹ء میں براگ شہر میں یہودی پاپائے اعظم راشورون نے ایک تقریر کے دوران میڈیا کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہا تھا کہ ’’پوری دنیا پر حکومت کرنے کے لیے سونے کے ذخائر پر قبضہ کے بعد دوسرے نمبر پر صحافت پر قبضہ کرنا ضروری ہے‘‘۔

چنانچہ ذرائع ابلاغ پر یہودی کنٹرول اور غلبہ کے اثر سے انسانی واخلاقی قدریں اور روایات یکسر بدل گئیں، ہر چیز کا پیمانہ بدل گیا، اعلی انسانی قدریں، اخلاق اور خیر وخوبی کی صفات کو رذائل کا نام دیدیا گیا، اور رذائل ،کمینہ خصلتوں اور بری عادات کو اعلی انسانی قدروں کے نام سے پیش کیا جانے لگا، صہیونی ذرائع ابلاغ (صحافت، لٹریچر، ریڈیو، ڈرامے ،فلموں) نے دنیا کی نظروں میں یہودیوں کی خصوصیات بدلنے، ان کو مظلوم ثابت کرنے اور ان کی تمام قومی خصوصیات کو عربوں کے سر منڈھنے میں زبردست رول ادا کیا، اس طرح یہود ذرائع ابلاغ کا سہارا لے کر امریکی و یورپی قوموں کی نظر میں اپنے کو مظلوم قوم بنانے میں کامیاب ہوگئے، اور یورپی قوموں کے ذہنوں اور دلوں میں یہ بٹھا دیا کہ یہود ان کے دوست ہیں، اور یہودیوں کی حفاظت ومدد ان کا دینی فریضہ ہے، لہٰذا یورپی طاقتوں نے عالم عربی کے قلب میں یہودیوں کا وطن قائم کرا دیا۔

اس منصوبہ بند سازش کے تحت پہلی بنیادی تبدیلی یہ واقع ہوئی کہ وہ نصرانی جو تاریخ کے ہر دور میں یہودیوں کو اپنے ملکوں سے جلاوطن کرتے رہے اور ان کو تاراج کیا، ان کا وہ عقیدہ ہی بدل گیا کہ حضرت عیسی علیہ السلام کو یہودیوں ہی نے مصلوب کروایا تھا، صہیونیوں کا یہ منصوبہ تھا کہ اس عقیدہ کو تبدیل کروائیں جو منجملہ اور دوسری باتوں کے نصرانیوں کو یہودیوں سے نفرت پیدا کرنے کا موجب رہا ہے، انہوں نے بیشمار صہیونی مفکرین اور یہودی دانشوروں کو نصرانی کلیسا کی روایات، ان کی فقہ، اور ان کے عقائد کے بارے میں تربیت دلوائی، اور سازشیں کر کے ان کو نصرانی کلیسا میں اعلیٰ مناصب دلوائے ، پھر آہستہ آہستہ کلیسا کے اعلی حلقوں میں ان صہیونیوں کا اثر ونفوذ اتنا بڑھ گیا کہ انہوں نے اپنے منصوبہ کے مطابق نصرانیوں کے اس عقیدہ کو تبدیل کروا دیا، ۱۹۶۴ء میں کیتھولک کلیسا کی اعلیٰ ترین کونسل میں جو ویٹی کن میں منعقد ہوئی، عیسائی پوپ اعظم نے یہودیوں کو حضرت عیسی علیہ السلام کو مصلوب کروانے کے الزام سے جو تاریخی طور پر ثابت ہے بالکل بری الذمہ قرار دے دیا اور یہ اعلان کر دیا کہ: نصرانیوں کو چاہیے کہ وہ یہودیوں کو لعنت زدہ قوم نہ سمجھیں، نصرانیوں کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ یہودیوں سے نفرت نہ کریں، اور ان کا استیصال نہ کریں۔

نصرانی عقیدہ میں یہ تبدیلی بڑی اہمیت کی حامل ہے، اس سے یہودیوں کی ذہانت وعیاری کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے منصوبے کس طرح ترتیب دیتے ہیں اور کس طرح ان پر عمل درآمد کرتے ہیں، کہ ذرائع ابلاغ اور دولت کے استعمال سے نصرانی کلیسا کا وہ الزام جو دو ہزار سال سے یہودیوں پر لگایا جا رہا تھا کس طرح صاف کروالیا۔

صہیونیوں نے ذرائع نشر و اشاعت یا انفارمیشن میڈیا میں اتنا اثر ونفوذ حاصل کرلیا کہ یہودی میڈیا ہر مخالف لہر کو یہودیوں کے حق میں کر دیتا ہے، یہی نہیں، بلکہ مخالفین کی تائید وہمدردی حاصل کر لیتے ہیں، یہودی میڈیا نے بہت سے سچے اور صحیح تاریخی حقائق بدل دئے، اور نئے نئے تصورات رائج کر دئے، ہولوکوسٹ پر بحث یا لب کشائی کرنے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی، یہودی میڈیا یہودیوں پر کیے گئے مظالم کو ہولناک شکل میں پیش کرتا ہے، ان کو معصوم پیش کیا جاتا ہے، سامی دشمنی کے نام پر یہودیوں کی تنقید اور ان کے کسی ظلم پر انگلی اٹھانا ممنوع بلکہ قابل سزا جرم قرار دے دیا گیا، گویا سامی صرف یہودی ہی ہیں، حالانکہ اصل سامی تو عرب ہیں، جبکہ عرب ہی ہر موقع پر ہدف ملامت بنتے ہیں، ان کے عقائد اور مقدسات کو نشانہ بنایا جاتا ہے، بلکہ عالمی اخبارات، مجلّات، رسالوں، لٹریچر اور محفلوں میں عربوں کو سب وشتم کرنا محبوب ترین موضوع بن گیا ہے، عربوں اور مسلمانوں کے خلاف ہر جارحانہ کارروائی جائز، تشدد اور ظلم و جور روا ہے، ان کا قتل عام کیا جائے تو کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، لیکن اگر کسی یہودی کو صرف خراش ہی لگ جائے تو کہرام مچ جاتا ہے۔

اسی طرح قیدیوں کے حقوق اور اغوا اور قتل کے قوانین ہیں، ان میں بھی مسلمانوں کے ساتھ امتیاز برتا جاتا ہے، ان کے ساتھ انتہائی گھناونا ، وحشیانہ اور جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا ہے، گوانتانا موبے، ابوغریب اور دنیا کے مختلف

علاقوں میں قائم امریکی خفیہ جیلوں میں قیدیوں کی ہولناک داستانیں اخبارات میں آتی رہتی ہیں، اور مہذب یورپین حکومتوں کا دوسرے ملکوں میں اپنے سیاسی مخالفین کو قتل کروادینا یا ان کو اغوا کروالینا اب کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی۔ لیکن اگر عراق، افغانستان، لیبیا، مصر، شام، تونس یا کسی اور ملک میں کسی غیر مسلم، یہودی، عیسائی کا اغوا ہوجائے تو عالمی میڈیا آسمان سر پر اٹھالیتا ہے، اور چند نامعلوم افراد کے عمل کو اسلامی دہشت گردی سے جوڑ دیا جاتا ہے، اور عالمی سطح پر ان اغوا شدہ افراد کو چھڑانے کی کوششیں کی جاتی ہیں، چند سال پہلے امریکہ نے یہ اعلان کیا تھا کہ اسے یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ جب اور جہاں چاہے کسی کو اغوا کرسکتا ہے، اور اس کے سپریم کورٹ نے بھی اس کی توثیق کردی، حالانکہ بین الاقوامی قانون یہ ہے کہ اگر کوئی غیر ملکی کسی ملک میں کوئی جرم کرتا ہے اور سزا کا بھی مستحق ٹھہرتا ہے تو اسے اس کے ملک واپس کردیا جاتا ہے، لیکن دنیا کے بڑے ممالک علانیہ اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

امریکہ صہیونیوں کے بنائے ہوئے خطوط پر چل رہا ہے اور پوری دنیا پر تسلط اور اقتدار حاصل کرنے لئے تشدد اور دہشت گردی کا وہی طریقہ اختیار کررہا ہے جو صہیونیوں نے قیام اسرائیل کے بعد اپنایا کہ بڑی تعداد میں نازی لیڈروں کو اغوا کرکے اسرائیل لائے، ان پر مقدمہ چلایا، اور پھر موت کے گھاٹ اتاردیا، اسی طرح یورپ اور خصوصاً امریکہ میں سیکڑوں مسلم دانشوروں، مفکروں اور دعوت اسلامی کا کام کرنے والوں کو اغوا کرکے ختم کردیا گیا، اور عالم اسلام میں بھی یہی طریقہ اختیار کیا جارہا ہے، کہ جہاں نام نہاد دہشت گردی کا الزام لگا کر بڑی تعداد میں مسلم اہل عقل ودانش اور اسلامی ذہن رکھنے والوں کا صفایا کردیا گیا، لیکن عالمی میڈیا نے اس پر پردہ ڈال دیا اور خاموشی اختیار کرلی۔ اس سے پہلے بھی مختلف یورپی ممالک اور امریکہ کے زیراثر ملکوں سے اسلامی ذہن رکھنے والوں کو اغوا کرکے امریکہ لایا گیا جو آج بھی بغیر مقدمہ کے امریکی جیلوں میں قید وبند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں۔ بہت پہلے ہی یہ قانون بنایا جاچکا ہے کہ بغیر مقدمہ چلائے کسی قیدی کی مدت سزا نہ بڑھائی جائے، اور اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کے عالمی منشور میں بھی یہ دفعہ داخل ہے، لیکن عالمی طاقت غرور وتکبر اور طاقت کے نشہ میں اس قانون کا احترام نہیں کرتی، چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں بے گناہ ومعصوم افراد اسرائیل اور امریکہ کی جیلوں میں بغیر کسی مقدمہ کے سڑ رہے ہیں اور سخت ترین ایذا رسانی اور تعذیب سے دوچار ہیں۔

اسرائیل کی دہشت گردی اور جارحانہ پالیسی کی ایک مثال انسانی آبادی والے علاقوں پر بمباری کرنا ہے، جو کہ بین الاقوامی قانون کی رو سے ممنوع ہے، لیکن اسرائیل شروع ہی سے اس مجرمانہ عمل کا مرتکب ہورہا ہے، اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے احتجاج اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کا اس پر کوئی اثر نہیں پڑتا، اور جب مسئلہ سلامتی کونسل میں پیش کیا جاتا ہے تو امریکہ ویٹو پاور استعمال کرکے اسرائیل کی پشت پناہی کرتا ہے، خود امریکہ بھی اسرائیلی سیاست پر عمل پیرا ہے، چنانچہ اس کے بمبار جہاز دنیا کے مختلف علاقوں پر بم برساتے رہتے ہیں، جس کے نتیجہ میں ہزارہا ہزار بے گناہ مرد اور عورتیں اور معصوم بچے درندگی کا شکار ہوجاتے ہیں، لیکن عالمی میڈیا ان انسانیت سوز واقعات کو بالکل نظرانداز کردیتا ہے گویا کہ کچھ ہوا ہی نہیں، اور دوسری طرف اکادکا انفرادی خودکش حملوں کو عالمی امن وامان کے لیے بڑا خطرہ بنا کر پیش کرتا ہے، اسرائیل نے عراق کی ایٹمی تنصیبات پر بمباری کرکے تاراج کردیا، اور بعض حلقوں نے اس پر ناگواری بھی ظاہر کی، لیکن یہودی میڈیا نے اس مجرمانہ عمل کو یورپی امن وامان کی خدمت کے طور پر پیش کیا، اور یورپ نے اس کو تسلیم بھی کرلیا، امریکہ بھی شام اور ایران کی ایٹمی تنصیبات کو امن عالم کے لیے خطرہ بتا کر اس پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔

انفارمیشن میڈیا پر غلبہ وکنٹرول حاصل ہوجانے کے بعد اسرائیل نے عالمی سراغرساں ایجنسیوں پر بھی کنٹرول حاصل کرلیا، چنانچہ اسرائیلی اور صہیونی خفیہ ایجنسیاں یہودی مفادات کی خاطر دنیا میں سیاسی انتشار وخلفشار اور بے چینی وبے اطمینانی پیدا کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں تشدد اور دہشت گردانہ کارروائیاں کراتی ہیں اور پھر عالمی ذرائع ابلاغ یہودی میڈیا کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے اسلامی تنظیموں کو ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، اور امن وسلامتی سے متعلق ادارے بھی صہیونی اثر ونفوذ کی وجہ سے ایک خاص طبقہ کے خلاف کارروائی کرتے ہیں، گزشتہ برسوں میں مختلف علاقوں میں پیش آنے والے دہشت گردانہ واقعات کے متعلق انگریزی اخبارات میں ایسی رپورٹیں شائع ہوئیں جن میں قوی دلائل کے ساتھ ان واقعات میں براہ راست امریکہ کا ہاتھ ہونا بتایا گیا، لیکن عالمی میڈیا نے ان رپورٹوں کو نظرانداز کردیا اور سیاسی اسباب کی بنا پر سیکورٹی محکموں نے بھی ان پر کوئی توجہ نہیں دی۔

اسی طرح نام نہاد اسلامی دہشت گردی بھی

صہیونی دماغ کی اختراع ہے۔جس کا یہودی اور عالمی میڈیا اور ایجنسیوں نے اتنے زور شور سے پروپیگنڈہ کیا کہ موجودہ دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا اور ۹/۱۱ کے واقعہ کے بعد تو صہیونی لابی نے امریکہ کو اس نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ پر آمادہ کردیا، حالانکہ خود یورپین میڈیا کی رپورٹوں سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ۹/۱۱ کا واقعہ صہیونی سازش ہے۔

بعض محققین نے لکھا ہے کہ: ’’صہیونی دانشور برنارڈ لوئس وہ پہلا شخص ہے جس نے سب سے پہلے اسلام کو عالمی امن کے لیے خطرہ بنا کر پیش کیا، اس نے ۹/۱۱ کے واقعہ سے پہلے ہی اسلامی دہشت گردی کا تخیل دیا تھا، ۱۹۹۴ء میں واشنگٹن میں منعقد ہونے والی ایک بین الاقوامی کانفرنس میں برنارڈ لوئس مغربی دانشوروں کی ایک ٹیم کے ساتھ شریک ہوا، اور اسلامی دہشت گردی کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کیا، اور اسی نے سب سے پہلے تہذیبوں کے ٹکراؤ کا نظریہ پیش کیا، اس کا مقالہ ’’جذور الغضب الإسلامی‘‘ امریکی مفکر ہننگٹن اور فوکویاما کے تہذیبوں کے ٹکراؤ کے نظریہ کی اصل بنیاد ہے‘‘۔

عالمی سیاست میں صہیونی اثر و نفوذ کی یہ چند مثالیں ہیں، انسانی قدروں اور انسانی حقوق کی پامالی اور خلاف ورزی کے واقعات دنیا کے مختلف علاقوں عام ہو چکے ہیں، ایک مثل مشہور ہے کہ ’’لوگ اپنے حکمراں کے دین کے تابع ہوتے ہیں‘‘، اور گلوبلائزیشن کے عہد میں دوسری حکومتیں بھی وہی کررہی ہیں جو کچھ امریکہ اور اسرائیل میں ہورہا ہے، گویا ساری دنیا ایک حکمراں کے ماتحت ہے یا ایک رہبر کے نقش قدم پر چل رہی ہے، اور وہی بات کہے جارہی ہے جو یہودی میڈیا کہلوارہا ہے۔

☆☆☆☆☆

وقت ایک بے بہا عطیۂ ربانی

تحریر: شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ

امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں سورۂ عصر کی تفسیر کی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ’’عصر‘‘ جو کہ زمانے سے عبارت ہے‘ کی قسم کھائی ہے کیوں کہ وہ حیرت انگیز باتوں کا مجموعہ ہے، اس لیے کہ انسان کو اس میں خوش حالی و تنگ دستی، صحت و مرض، دولت و ثروت اور غربت و افلاس کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس لیے بھی کہ عمر ایک ایسی جنس گراں مایہ ہے، جس کا بدل درہم و دینار میں تلاش نہیں کیا جاسکتا، پس اگر آپ نے ایک ہزار سال بھی فضول گنوائے ہیں اور پھر تائب ہوکر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرلیا ہے اور عمر کی اس آخری گھڑی میں نیک بختی آپ کا مقدر بن گئی ہے، تو آپ ہمیشہ کے لیے جنت کے مکین بن جائیں گے، تو معلوم ہوا کہ سب سے زیادہ عظیم اور گراں قدر شے آپ کی زندگی کی وہ گھڑی تھی، جس میں آپ کو یہ سعادت میسر آئی، پس زمانہ اللہ کی جملہ بنیادی نعمتوں میں سے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے اور اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ یہ شب و روز انسانوں کے لیے فرصت کے لمحات ہیں، لیکن افسوس کہ وہ انھیں یونہی گنوادیتے ہیں اور یہ بھی بتادیا ہے کہ زمان، مکان سے برتر اور عظیم تر شے ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے زمانے کی قسم کھائی ہے، چونکہ زمانہ ایک ایسی خاص نعمت ہے جس میں کوئی عیب نہیں، عیب دار خسارے میں مبتلا ہونے والا تو خود انسان ہے۔

جہاں تک حدیث شریف کا تعلق ہے تو اس میں زمانے کی اہمیت اور بھی واضح طور پر بیان کی گئی ہے، چنانچہ امام بخاری و ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ’’نعمتان مغبون فیهما کثیر من الناس: الصحة والفراغ‘‘ (دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے سلسلے میں بہت سے لوگ دھوکے میں ہیں: ایک صحت و تندرستی، دوسرے فراغت)۔

لہٰذا وقت ایک عظیم ترین نعمت الٰہی اور بے بہا عطیہ ربانی ہے، لیکن کوئی بھی اس سے واقف نہیں اور نہ ہی اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتا ہے، سوائے ان لوگوں کے جو توفیق یافتہ اور یکتائے روزگار ہوتے ہیں، جیسا کہ حدیث کے یہ الفاظ بھی بتاتے ہیں کہ ’’مغبون فیهما کثیر‘‘ (ان دونوں کے سلسلے میں بہت سے لوگ دھوکے میں ہیں) معلوم ہوا کہ وقت کی سودمندیاں حاصل کرنے والے بہت تھوڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں) اور کثرت ان لوگوں کی ہے جو کوتاہ کار اور مبتلائے فریب ہیں۔

☆☆☆

راہِ حق

تعلیماتِ نبویؐ کی قطعیت اور حقانیت

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

یہ دنیا انسان کے لیے تجربہ گاہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی صلاحیتوں کا اس میں استعمال کرتا ہے، اشیاء کے خواص دریافت کرتا ہے، چیزوں کو دیکھ کر رائے قائم کرتا ہے، اس سے نتائج اخذ کرتا ہے، ان تجربات میں وہ صحیح نتیجہ تک بھی پہنچتا ہے اور ٹھوکر بھی کھاتا ہے، جو چیزیں اس کے محسوسات کے دائرہ میں آتی ہیں، عام طور پر وہ ان چیزوں کو محسوس کرنے کے بعد ایک پختہ رائے قائم کر لیتا ہے، اس رائے سے ہٹنا اس کے لیے آسان نہیں ہوتا ہے، مشہور ہے کہ کان غلطی کر سکتے ہیں، لیکن آنکھیں غلطی نہیں کرسکتیں، اور اس میں کسی چیز کا استثناء نہیں کیا جاسکتا، کوئی چیز بھی حواس کے دائرہ میں آنے کے باوجود یقینی نہیں کہی جاسکتی، جو چیز یقینی ہے اور ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے، وہ صرف ایک چیز ہے اور وہ ہے ''وحی الٰہی'' حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور سب سے بڑھ کر ان کے خاتم سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ بھی فرماتے ہیں، وہ ہر طرح کے شبہ سے بالاتر ہے، دوسرے انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات فراموش ہوچکیں، ان کے ماننے والوں نے سب کچھ بھلا دیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پورا نقشہ آج بھی موجود ہے، آپؐ کی تعلیمات و ہدایات قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے چشمۂ ہدایت اور سرمۂ بصیرت ہیں۔

موجودہ دور میں ایک مرض یہ بھی پیدا ہوگیا ہے کہ ان آسمانی ہدایات وتعلیمات کو انسان محسوس کے چوکھٹوں میں فٹ کر کے جانچتا ہے، اگر کوئی حکم یا ہدایت اس کی دانست میں ان چوکھٹوں میں پوری نہیں اترتی تو اس کو اپنی کمی کا احساس نہیں ہو پاتا، بلکہ وہ اس حکم شرعی میں کمی تلاش کرتا ہے، اس کو اپنے مفروضہ پیمانوں کی بے اعتدالیاں نظر نہیں آتیں، وہ شریعت پر زمانہ کا ساتھ نہ دینے کا الزام لگاتا ہے۔

حسن وقبح کے پیمانے ہمیشہ بدلتے رہے ہیں، زمانے کے تغیرات ہوں یا مکانی فاصلے ہوں، ہر چیز ان پر اثر ڈالتی رہی ہے، البتہ اس کے جو پیمانے وحی الٰہی کی روشنی میں متعین کیے گئے ہیں، وہ قیامت تک کے لیے ہیں، ان میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی، ان میں ہر دور اور ہر جگہ کے انسانوں کے لیے نشان منزل ہے، لیکن یہ نشان اس کو اسی وقت حاصل ہوسکتا ہے جب اس کو اپنے نقص کا احساس ہو، وہ اپنی غلطی کا ادراک کرسکتا ہو اور اس کے اعتراف کی طاقت بھی اپنے اندر پاتا ہو، یقیناً ایسا انسان اپنی حقیقی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔

ایک انسان اپنی زندگی میں دسیوں ایسے تجربات سے گزرتا ہے کہ اپنی نگاہوں سے اس نے جس چیز کا ادراک کیا ہوتا ہے، وہ چیز حقیقت میں اس کے مطابق نہیں ہوتی، ایک چیز کو آدمی دس دس مرتبہ دیکھتا ہے، جائزہ لیتا ہے، لیکن اس کے باوجود نگاہیں غلطی کرتی ہیں، کبھی جو چیز سیدھی ہوتی ہے وہ بالکل ٹیڑھی نظر آتی ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، دیکھنے والا اور غور کرنے والا اس پر جمتا ہے اور اسی کو صحیح سمجھتا ہے لیکن کبھی کبھی خود اسی کی نگاہیں اس کی دوسری تصویر سامنے لے آتی ہیں تو وہ اچنبھے میں پڑ جاتا ہے، پھر اس کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگتا ہے، کبھی کبھی زاویۂ نگاہ کا فرق ہوتا ہے، ایک چیز کو آدمی جب الگ الگ زاویوں سے دیکھتا ہے تو اس کی مختلف شکلیں سامنے آتی ہیں، مشہور ہے کہ ایک ہاتھی اندھوں کی بستی میں چلا گیا، کسی کا ہاتھ اس کی دُم پر پڑا، کسی کا سونڈ پر، کسی نے پیر ٹٹول کر دیکھے، تو کسی کے ہاتھ اس کے کان پر پڑے، بعد میں جب مل کر بیٹھے تو کسی نے اس کو رسی کی طرح بتایا، کسی نے ستون سے تشبیہ دی، کان پر جس کے ہاتھ پڑے تھے اس نے اصرار کیا کہ وہ تو بالکل سوپ کی طرح تھا۔

یہ ایک لطیفہ ہے لیکن اس میں اپنے تصور و خیال پر اصرار کرنے والوں کے لیے بڑی عبرت ہے، ظاہری طور پر زاویۂ نگاہ کے بدلنے سے تو اثر پڑتا ہی ہے، اندرونی کیفیات سے بھی آدمی متاثر ہوتا ہے ایک نگاہ محبت کی ہوتی ہے اور ایک نگاہ نفرت کی، جب کسی سے تعلق ہوتا ہے تو اس کی خرابیاں بھی خوبیوں کی شکل میں نظر آتی ہیں، اور اگر نفرت ہوتی ہے تو اچھائیاں بھی برائیاں لگنے لگتی ہیں۔

ذاتی تجربات ومحسوسات کو بالکل یقینی اور قطعی سمجھنے والوں نے بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض مرتبہ پوری پوری قوم اس کے نتیجہ میں تباہی کا شکار ہوئی ہے، اسباب ووسائل کی حد تک ان

تجربات پر بھروسہ کرنے میں حرج نہیں ہے، یہ ایک ضرورت ہے لیکن مقاصد میں ان پر تکیہ کرلینا اور ہر چیز کو اسی کی روشنی میں جانچنا، آدمی کو گمراہی کے راستہ پر بھی لے جاسکتا ہے۔

کبھی کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی یہی صورت پیش آجاتی ہے، کسی چیز کو دیکھ کر یا کوئی بات سن کر ضرورت سے زیادہ خوش گمانی پیدا ہوجاتی ہے، ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی، اس سے بڑھ کر بدگمانی کے نتائج سخت ہیں، اچانک دیکھ کر کسی کے بارے میں بھی بعض مرتبہ غلط رائے قائم کرلی جاتی ہے، اس کے اسباب و محرکات پر آدمی کی نگاہ نہیں ہوتی۔

ایک صحابیؓ مال زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے ایک قبیلہ میں تشریف لے گئے جب قبیلہ والوں کو ان کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ مال زکوٰۃ کے ساتھ مسلح ہوکر اپنے علاقہ سے ان کے استقبال کے لیے باہر نکل آئے، بعض لوگوں نے جب قبیلہ کے اہم لوگوں کو مسلح اس حال میں دیکھا تو انہوں نے سمجھا کہ وہ زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے، اسی لیے وہ مقابلہ کرنے باہر نکلے ہیں، صحابیؓ کو بھی ان لوگوں نے اس کی اطلاع دی اور کہا کہ ہم اپنی آنکھوں سے ان کو مسلح دیکھ کر آئے ہیں، وہ صحابیؓ فوراً واپس ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند نہیں فرمایا اور تحقیق کا حکم دیا، اسی اثناء میں وہ لوگ مال زکوٰۃ لے کر حاضر خدمت ہوگئے تو عقدہ کھلا، اگر ان دیکھنے والوں کی رائے پر عمل ہوجاتا تو کتنے نقصان کا اندیشہ تھا۔

نگاہ کی غلطی کہیں سے کہیں پہنچادیتی ہے، اور یہی حال دوسرے حواس کا بھی ہے، انسان جن چیزوں کو اپنے حواس سے محسوس کرتا ہے، ان کے بارے میں فوری طور پر ایک رائے قائم کرلیتا ہے اور پھر اصرار کرتا ہے جس کے نتیجہ میں کبھی خود بھی ٹھوکر کھاتا ہے اور دوسروں کو بھی اس کے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں، ان نقصانات کا دائرہ کبھی اتنا وسیع ہوجاتا ہے کہ بعد میں ان کا ازالہ بھی آسان نہیں ہوتا ہے۔

مظنونات (گمانوں) کو اسی کے درجہ میں رکھا جائے، ان کو قطعیات (یقین) کی شکل نہ دی جائے، قطعی اور یقینی صرف وحی الٰہی اور ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، کسی مرحلہ میں اگر ہمارے احساسات اس کو دل و دماغ تک منتقل کرنے میں بھی عذر کریں تو یہ ان ظنی احساسات کی غلطی ہے، تعلیمات نبویؐ کی قطعیت اور حقانیت اپنی جگہ مسلم ہے، معدہ کی خرابی سے اگر غذا ہضم نہیں ہورہی ہے تو معدہ کے علاج کی ضرورت ہے، غذا اگر چھوڑ دی گئی تو سوائے ہلاکت کے اور کچھ ہاتھ آنے والا نہیں۔

☆☆☆☆☆

خودغرضی اور مفاد پرستی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندویؒ

اس وقت ہمارے مسلم معاشرہ کو جو چیز گھن کی طرح کھائے ڈال رہی ہے، وہ ہے آپسی انتشار اور نجی فائدہ کو ہر ملی مفاد اور دینی معاملہ پر ترجیح دینا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کوئی بھی معاملہ چاہے خاندانی حیثیت رکھتا ہو یا پوری ملت سے اس کا تعلق ہو، الجھتا ہی جارہا ہے، ایثار اور قربانی کے الفاظ یا ڈکشنریوں میں ملتے ہیں یا سوانح وسیرت کی کتابوں میں۔

ہمارا حال تو اب یہ ہے کہ ملت کے مفاد کی بات تو جانے دیجیے، خاندانی معاملات میں بھی تو ہم بدترین قسم کی خودغرضی اور مفاد پرستی کے شکار ہیں، جس کا پہلا نتیجہ یہ ہے کہ بھائی بھائی میں نفرت اور دوری پیدا ہوگئی ہے، شاید چند ہی گھرانے ایسے ہوں گے جہاں جائداد یا کاروبار کے جھگڑے نہ ہوں، ورنہ جدھر دیکھیے معمولی بات پر ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہورہے ہیں، آپسی محبت ومودت جو اسلام کی عطا کردہ ایک نعمت عظمیٰ تھی، بالکل مفقود ہوگئی ہے۔

لیکن ہماری غفلت و بے حسی اب اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ ہم کو اس خطرناک صورت حال کا احساس تک نہیں ہوتا، علاج تو دور کی بات ہے۔

ہم سب لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اپنے اپنے حلقہ کی فکر کریں اور پہلے اپنے گھر کی اصلاح کی فکر کریں اور اس کو درست کریں، اگر گھر درست ہوگا تو محلّہ اور پڑوس اس سے متاثر ہوگا اور اصلاح حال کی معطر ہوا پوری فضا کو خوشگوار کردے گی۔

☆☆☆☆☆

اخلاص عمل

نصرتِ ربانی کب اور کیسے!!

تحریر: ڈاکٹر یوسف القرضاویؒ

سوال : ہم قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھتے ہیں:"وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" .[الروم:۳۰/۴۷](اور ہم پر یہ حق تھا کہ ہم مومنوں کی مدد کریں)، جب کہ زمینی صورت حال میں مومنوں کی خواری اور زبوں حالی سے دوچار پاتے ہیں،اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی پڑھتے ہیں:"وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ". [المنافقون:۶۳/۸](عزت تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور مومنین کے لیے ہے)، لیکن مومن رسوائی اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں،قرآن مجید کہتا ہے:"وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا". [النساء:۴/۱۴۱](اور اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی ہے)، مگر ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں تو کافروں کو مومنوں پر ہزار حوالوں سے حاوی پاتے ہیں،اسی طرح اور آیات بھی ہیں،مثلاً:"اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا". [الحج:۲۲/۳۸](یقیناً اللہ مدافعت کرتا ہے ان لوگوں کی طرف سے جو ایمان لائے ہیں)، "ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا". [محمد:۴۷/۱۱](یہ اس لیے کہ ایمان لانے والوں کا حامی و ناصر اللہ ہے)، "وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ". [الانفال:۸/۱۹](اللہ مومنوں کے ساتھ ہے)،اس کے باوجود صورت حال یہ ہے کہ قوت وسیادت اور سربلندی کافروں اور ملحدوں کو حاصل ہے، جب کہ کمزوری و پس ماندگی اور ذلت و رسوائی مومنوں کے حصے میں آئی ہے، اس کی کیا توضیح ہو سکتی ہے اور کیا سبب بیان کیا جا سکتا ہے؟

جواب : آیات تو بہت ہی صاف ہیں، آپ عزت و نصرت اور قوت وسیادت اور تائید الٰہی کی تمام آیات کو مومنوں سے تو جوڑ سکتے ہیں لیکن ایمان کے ہر دعویدار اور اہل اسلام جیسے نام رکھ لینے والوں سے متعلق قرار نہیں دے سکتے ، کیونکہ اعتبار اور اہمیت ناموں کی نہیں ہوتی بلکہ ان چیزوں کی ہوتی ہے جن کے یہ نام ہوتے ہیں۔

اگر ایمان سے مراد اللہ و رسولؐ کو ماننے کا زبانی اقرار لیا جائے اور اسلام کے بعض شعائر کو قائم رکھنے کی حد تک سمجھا جائے تو ہم مومن ہیں، اور اگر ایمان ان اوصاف کے حصول کا نام ہے جن کو قرآن مجید نے مومنین کے لیے بیان کیا ہے تو ہمارے اور قرآن کے بیان کردہ ایمان کے درمیان کئی اور مراحل بھی آتے ہیں، وہ مومن جن کی نصرت و تائید کا ذمہ قرآن مجید کی آیات کے مطابق اللہ تعالیٰ لیتا ہے ، ان مومنوں کی کچھ صفات ہیں جنھیں خود قرآن مجید نے ہی بیان کر دیا ہے، ان صفات کے ذریعے ان مومنوں کے ایسے عقائد، اعمال اور اخلاق کو واضح کر دیا گیا ہے جن کی بنا پر مومن اللہ تعالیٰ کی طرف سے تکریم و توقیر کے مستحق قرار پاتے ہیں، یہ انصاف نہیں کہ ہم مومنوں کے لیے قرآن مجید میں بیان کیے گئے اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا تو ذکر کریں مگر مومنوں کی تعریف اور وضاحت کے لیے قرآن کے بجائے کہیں اور رجوع کریں۔

ہمیں قرآن مجید کی یہ روشن آیات بھی پڑھنی چاہیے:

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ، الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ،اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا". [الانفال: ۸/۲،۳،۴](سچے اہل ایمان تو وہ لوگ ہیں جن کے دل اللہ کا ذکر سن کر لرز جاتے ہیں اور جب اللہ کی آیات ان کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے، اور وہ اپنے رب پر اعتماد رکھتے ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں ، ایسے ہی لوگ حقیقی مومن ہیں)۔

"قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ،الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ". [المومنون:۲۳/۱،۲](یقیناً فلاح پائی ہے ایمان لانے والوں نے جو اپنی نماز میں خشوع اختیار کرتے ہیں)،

"وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ". [التوبۃ:۹/۷۱](مومن مرد اور مومن عورتیں، یہ سب ایک دوسرے کے رفیق ہیں، بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں)

"اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ

أخَوَيْكُمْ". [الحجرات:۴۹/۱۰] (مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو)، "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ". [الحجرات: ۴۹/۱۵] (حقیقت میں تو مومن وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لائے پھر انھوں نے کوئی شک نہ کیا اور اپنی جانوں اور مالوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی سچے لوگ ہیں)، "اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ". [النور:۲۴/۵۱] (ایمان لانے والوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ اللہ اور رسولؐ کی طرف بلائے جائیں تا کہ رسولؐ ان کے مقدمے کا فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی، ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں)۔

یہ آیات اور ایسی دیگر بہت سی آیات بھی پڑھنی چاہئیں جو قرآن مجید میں ہی ہیں، پھر ہمیں اربوں مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے جو خود کو اسلام کے ساتھ منسوب کرتے ہیں، ایسی صورت حال میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہیے کہ کیا مسلمان ایسی قوم نہیں بن گئے جنھوں نے نماز کو ضائع کر دیا ہے، خواہشات کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل ہیں، اللہ سے ان کا تعلق کٹ چکا ہے، گویا قرآن ہی کی زبان میں: "بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى". [الحشر:۵۹/۱۴] (یہ آپس کی مخالفت میں بڑے سخت ہیں، تم انھیں اکٹھا سمجھتے ہو مگر ان کے دل ایک دوسرے سے پھٹے ہوئے ہیں)، برائی ان میں عام اور علانیہ ہو گئی ہے، جب کہ نیکی دب کر رہ گئی ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ نیکی برائی بن گئی ہے اور برائی نے نیکی کی جگہ لے لی ہے، یہاں اب نیکی کا پرچار کرنے والوں کی جگہ برائی کا پرچار کرنے والے آگئے ہیں بلکہ نیکی کو روکنے والے موجود ہیں۔

آپ ان اربوں اہل ایمان کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان میں سے لاکھوں کو گروہی تعصب اور فرقہ وارانہ گم راہیوں نے تباہ کر کے رکھ دیا ہے اور لاکھوں کو سیاسی استبداد نے بے کار بنا دیا ہے، لاکھوں کو اجنبی فکری یلغار نے اعتقادی طور پر کمزور کر دیا ہے، لاکھوں کو سیکولر استعمار نے علیحدگی پسند بنا دیا ہے، اسی طرح لاکھوں کو صلیبی استعمار نے جہالت میں دھکیل دیا ہے اور لاکھوں ایسے ہیں جو کسی شمار قطار میں ہی نہیں، وہ غفلت میں بے سدھ اور مدہوشی میں بے حس پڑے ہیں: "أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَّمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ". [النحل:۱۶/۲۱] (مردہ ہیں نہ کہ زندہ، اور ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ انھیں کب (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھایا جائے گا)۔

سوال ہے کہ کیا ہم یہودیوں کے مقابلے میں بھی مخلص مومن نہیں؟ یہودی کیوں غالب ہیں، اور غالب بھی ہمارے اوپر ہیں؟

عرض ہے کہ یہودی کائنات میں اللہ تعالیٰ کے قوانین قدرت کو اہمیت دینے کی بنا پر غالب آئے ہیں، قوانین قدرت کو اہمیت دینا ایمان کا ایک اہم جز ہے، ہم نے اس جز کو ضائع کر دیا، لیکن انھوں نے اس کی حفاظت کی ہے، دراصل وہ بیدار رہے، جب کہ ہم خواب کے مزے لیتے رہے، انھوں نے علم حاصل کیا، جب کہ ہم جہالت میں پڑے رہے، انھوں نے محنت و کوشش کو شعار بنایا، جب کہ ہم نے سستی و پس ماندگی کو گلے لگایا، انھوں نے اپنی باہمی قوت کو معاونت کے ذریعے بڑھایا، جب کہ ہم باہمی چپقلشوں میں کمزور ہوتے رہے، انھوں نے کل کے لیے تیاری کی، جب کہ ہم تو اپنا آج کا کام بھی فراموش کیے رہے، اس قوم نے اپنا خون پسینہ بہا ڈالا جب کہ ہم نے آنسو بہانے کے علاوہ کچھ نہ کیا۔

ترقی وزوال اور نصرت و ہزیمت کے الٰہی قوانین کسی پر ظلم نہیں کرتے اور نہ بے جا کسی کی حمایت میں آتے ہیں، جو بھی نصرت کے اسباب و وجوہ کو اختیار اور استعمال کرے گا وہ کامیابی سے ہمکنار ہوگا خواہ وہ یہودی ہی ہو، اور جو ہزیمت و شکست کی طرف چل پڑے گا وہ اس سے دوچار ہو کر رہے گا خواہ وہ اسلام ہی کے ساتھ منسوب ہو، معرکہ احد میں مسلمانوں کے ساتھ پیش آنے والے حادثے پر نظر ڈالیے! اس معرکے میں مسلمانوں نے ایک غلطی کی تو ۷۰ شہداء کی صورت میں اس کی قیمت ادا کی، جن میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت حمزہؓ، حضرت معصب بن عمیرؓ، سعد بن ربیعؓ اور انس بن نضرؓ جیسے جواں مرد مومن شامل تھے، اس موقع پر یہ بات بھی مسلمانوں کے کام نہ آئی کہ ان کے قائد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دشمنوں کی صف میں بتوں کے پجاری ہیں، قرآن مجید نے اس صورت حال کو یوں محفوظ کیا ہے اور قرآن سے بڑھ کر مبنی بر عدل فیصلہ اور بیان کس کا ہو سکتا ہے، فرمایا: "أَوَ لَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ

أَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنّٰى هٰذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ". [آل عمران :۳/۱۶۵](اور یہ تمہارا کیا حال ہے کہ جب تم پر مصیبت آپڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی ؟ حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دوگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (فریق مخالف پر) پڑچکی ہے، اے نبیؐ! ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، اللہ ہر چیز پر قادر ہے)۔

اس مسئلہ کو مزید سمجھنے کے لیے قرآن مجید کی درج ذیل آیات بھی پڑھ لیجیے:" يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ أَوِانْفِرُوْا جَمِيْعاً". [النساء:۴/۷۱] (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکٹھے ہو کر)، "وَأَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ من دونهم لاتعلمونهم اللّٰه يعلمهم". [الانفال: ۸/۶۰](اور تم لوگ ، جہاں تمہارا بس چلے ، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے تیار رکھو تا کہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے)، "يٰأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا إِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْراً لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ، وَأَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ". [الانفال: ۸/۴۵،۴۶] (اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب کسی گروہ سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمہیں کامیابی نصیب ہوگی اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑو نہیں، ورنہ تمہارے اندر کمزوری پیدا ہو جائے گی اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی، صبر سے کام لو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

کیا ہم نے ان آیات پر عمل کیا ؟ ہم نے تو اپنا دفاع بھی نہ کیا بلکہ فریب میں ہی مبتلا تھے کہ اچانک صہیونی چالوں کا شکار ہو گئے اور آج بھی ان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں ، ہم ہمیشہ غفلت میں پڑے رہے اور اپنی بساط بھر تیاری نہ کی ، نہ قوت حاصل کی ، ہاں ! بے کار اسلحہ خرید لیا جو نشانے پر لگنے کے بجائے نشانہ لینے والے ہی پر واپس آ لگتا ہے، اسلحہ اور ساز وسامان سے یہی غفلت بھری صورت حال تھی جس کی بنیاد پر دشمن نے یک بارگی ہمارے اوپر حملہ کر دیا، قرآن مجید نے اس حقیقت کو بھی بیان کیا ہے:"وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً". [سورہ النساء: ۴/۱۰۲] (کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں)۔

یہی وجہ ہے کہ جب ہم دشمن کے سامنے آئے تو اس طرح نہ ٹھہر سکے جس طرح ٹھہرنے کا اللہ تعالی نے مومنوں کو حکم دیا تھا، نہ بہت زیادہ اللہ تعالی کو یاد ہی کیا، بلکہ تھوڑا بھی نہ کیا، اور نہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ، ہم نے تو لشکر سازی اور میدان جنگ سے منہ موڑ کر رقص و سرور کی طرف رخ کر لیا، ہم اس باہمی آویزش اور چپقلش سے باز نہ آئے جس سے اللہ تعالی نے ہمیں منع کیا تھا ، نتیجہ یہ نکلا کہ ہم ناکام ہوئے اور ہمارے غبارے سے ہوا نکل گئی۔

اس صورت حال کے بعد کیسے ہم اپنے آپ کو مومنوں کے اس گروہ میں شمار کر سکتے ہیں جس کو قرآن مجید نے بیان کیا ہے، اسی طرح ہم ان وعدوں کے منتظر بھی کیسے ہو سکتے ہیں جو اللہ نے کیے ہیں؟ جب کہ ہم ان شرائط کو پورا نہیں کر رہے جو اللہ تعالی نے مقرر کی ہیں، یہ تو بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ ہم اللہ تعالی کی نصرت کے تو طلبگار ہوں مگر خود اللہ تعالی کی مدد کے لیے کچھ نہ کریں، اللہ سے ہم مومنوں جیسا بدلہ چاہیں مگر اپنے اندر مومنوں جیسے اوصاف پیدا نہ کریں، ہمارے اوپر فرض ہے کہ ہم اللہ کے لیے مخلص ہو جائیں، پھر اللہ بھی ہمارے ساتھ مخلصوں جیسا سلوک کرے گا، میرا مقصد یہ ہے کہ ہم حقیقی مومن بن جائیں، اللہ وحدہ کے رب ہونے پر، اسلام کے طریق زندگی ہونے پر، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتدا و پیشوا ہونے پر، اور قرآن مجید کے رہنما ہونے پر تہ دل سے راضی ہو جائیں، اس کے ساتھ یہ بھی ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے عقائد و افکار، اخلاق و کردار اور قانون و نظام زندگی، غرض ہر چیز میں غیر اللہ کی بندگی سے بے زاری کا اظہار کریں۔

صرف اور صرف اسی ایمان کی بنیاد پر ہم اس خوشی و راحت اور عزت و نصرت کو حاصل کر سکتے ہیں جسے اللہ تعالی نے دنیا میں مومنوں کے لیے مقدر فرما دیا ہے، جب کہ آخرت کی رضا و خوشی اور ثواب و اجر اس کے علاوہ ہے۔

یہاں سوال یہ اٹھتا ہے کہ کیا صالح مومن بھی کہیں موجود نہیں ہے؟ گذارش یہ ہے کہ یہ امت

تو گمراہی پر یکجا نہیں ہوسکتی، مگر ایسے صالح مومن بہت تھوڑے ہیں اور وہ تھوڑے ہونے کے ساتھ ان بکھرے ہوئے دانوں کی طرح منتشر بھی ہیں جو کسی دھاگے میں منسلک نہ ہوں اور ان میں سے کثیر تعداد کو تو اس مایوسی نے گھیر رکھا ہے کہ اصلاح اور تبدیلی ممکن نہیں، لہٰذا انھوں نے ہتھیار ڈال دیے ہیں اور میدان منکر خدا، فاجر اور چالباز فکری یلغار کے لیے کھلا چھوڑ دیا ہے، ان صالح مومنوں میں سے کچھ تو آہ وزاری اور ماضی کی طرف پلٹنے کو کافی سمجھ بیٹھے ہیں اور کوئی سنجیدہ و مثبت لائحہ عمل پیش نہیں کرتے اور کچھ اللہ کی راہ میں پہنچنے والی تکلیف سے ہی خوف زدہ ہوکر کمزور و بے کار ہوگئے ہیں، اسی طرح کہ درجنوں اور اسباب بھی ہیں جو ایسے مومنوں کی موجودہ صورت حال کو واضح کرتے ہیں۔

ان تمام تر صورت حال میں مسائل کا حل کیا ہوسکتا ہے؟ حل یہ ہے کہ اہل ایمان ایک دوسرے کو صحیح اسلام کی طرف رجوع کی دعوت دے کہ عقیدہ و شریعت اور اخلاق و کردار میں وہ صحیح اسلام کو اختیار کریں، وہ قوم کو بھی اسی یا ددہانی کے ذریعے امید یں، وعیدیں سنائے، وہ صرف اسلام ہی کے ذریعہ غالب آسکتے اور قیادت کر سکتے ہیں، ان کی وحدت وقوت اسی اسلام میں پوشیدہ ہے اور دنیا کی عزت اور آخرت کی سعادت اسی اسلام میں ہے، کہیں اور نہیں۔

یہ صالح مومن امت کو قدیم جمود، جدید انتشار اور کبھی کھل کر اور کبھی چھپ کر حملہ کرنے والے کفر سے بچانے کے لیے اپنی کوششوں کو متحد کریں، ان غیرت مند مومنوں کو اپنے عہد کے حالات کا بخوبی علم ہونا چاہیے، زمانہ کے تقاضوں سے آگاہ ہونا چاہیے، اپنے اپنے معاشروں اور ممالک کے احوال سے باخبر ہونا چاہیے، اجنبی یلغاروں اور مشکلات سے بھی چوکنا ہونا چاہیے اور ان سے نمٹنے کا سامان بھی کرنا چاہیے، انھیں یہ کام ماہروں و متخصص علماء کے طرز پر کرنا چاہیے، مقلدوں اور نقالوں کی طرح نہیں، اس کے ساتھ وہ اس سرکش مادی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے صبر و یقین کے ہتھیار سے لیس ہوں جس یلغار نے ان کے گھروں کو تباہ کر ڈالا ہے اور ان کے دل و دماغ کو بھی ماؤف کر کے رکھ دیا ہے، اس صورت حال کو ایک بڑے اسلامی مفکر نے ایک جملہ میں بیان کیا ہے: ''ارتداد بڑھ رہا ہے مگر اس کے خاتمہ کے لیے ابوبکرؓ نہیں ہے''۔

جب مومن حق و باطل کے درمیان گرم ہو چکے، معرکے میں صبر کا مظاہرہ کرلیں گے، اور انھیں اپنے بارے میں اللہ تعالیٰ کی آیات کی صداقت کا یقین ہو چکے گا اور وہ اللہ، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کو ہر اس چیز پر ترجیح دے چکے ہوں گے جس کی خواہش اور تمنا انسانوں کو ہر دور میں رہی ہے، جب وہ ایسی پامردی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرلیں گے تو وہ خود کو اس کا حقدار بنا لیں گے کہ اللہ ان کو دنیا کی امامت وقیادت عطا فرمادے، زمین کا وارث بنا دے، اور زمین کی حکمرانی وسلطنت ان کے پاس آجائے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِآيَتِنَا يُوْقِنُوْنَ''. [السجدہ:۳۲/۲۴] (اور جب انھوں نے صبر کیا اور ہماری آیات پر یقین لاتے رہے تو ان کے اندر ہم نے ایسے پیشوا پیدا کیے جو ہمارے حکم سے رہنمائی کرتے تھے)۔

لیکن اگر یہ صالح مومن اس فرض کو پورا کرنے سے پہلو بچائیں گے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟ یہ انجام تو بڑا خوفناک اور دہلا دینے والا ہے، قرآن مجید کی ایک آیت نے اس کی علامات کو متعین کر کے اور ایک دوسری آیت نے اسے متعین کیے بغیر بیان کیا ہے، پہلی آیت یہ ہے: ''اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَاباً اَلِيْماً، وَيَسْتَبْدِلْ قَوْماً غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئاً وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ''. [التوبۃ:۹/۳۹] (تم نہ اٹھو گے تو خدا تمھیں دردناک سزا دے گا، اور تمہاری جگہ کسی اور گروہ کو اٹھائے گا، اور تم خدا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے)، دوسری آیت یہ ہے: ''قُلْ اِنْ كَانَ آبَائُكُمْ وَأَبْنَائُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَأَمْوَال اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِأَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَايَهْدِىْ الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ''. [التوبۃ:۹/۲۴] (اے نبی کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے عزیز و اقارب اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں، اور تمہارے وہ کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں، تم کو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمہارے سامنے لے آئے، اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا ہے)۔

[ترجمہ: ارشاد الرحمٰن]

☆☆☆☆☆

عصر حاضر

انسانی فریضہ اور شرعی ذمہ داری

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

اگر پہاڑوں کو جگر ہوتا تو بعید نہ تھا کہ وہ بھی شق ہوجاتا، اگر درختوں کو آنکھیں ہوتیں، تو عجب نہ تھا کہ وہ بھی آنسوؤں کا دریا بہا دیتے، اگر زمین کو زبان ہوتی تو کیا عجب کہ اس کے نالہ وفریاد سے کرۂ ارض میں کہرام برپا ہوجاتا اور اگر درندے ان انسان نما درندوں کو دیکھ لیتے تو شاید وہ بھی شرمسار ہوجاتے اور درندگی میں صہیونیوں اور ان کی موافقت کرنے والوں کی بالادستی کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے، اس خوں آشامی، ظلم وبربریت، قتل و غارت گری کی وجہ سے جو اس وقت ''غزہ'' میں جاری ہے، جس کو سالہا سال سے اسرائیل کے ساتھ ساتھ اس کے نام نہاد، بے حمیت، کوتاہ ہمت، ضمیر فروش اور منافق نام نہاد مسلم حکومتوں نے ایک ایسے قید خانہ میں تبدیل کررکھا ہے، جو بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہے۔

سلامتی ہو غزہ کے ان مجاہدین پر، جنھوں نے اپنے لہو سے اسلام کے شجر طوبیٰ کو سینچنے کا عزم کررکھا ہے، صد ہزار رحمتیں ہوں ان شہداء راہ حق پر، جنھوں نے اپنے خون کا ایک ایک قطرہ دین حق کی سرخروئی کے لیے نچھاور کردیا ہے، لاکھوں سلام شوق پہنچے ان معصوم نونہالوں پر جنھوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی معصوم جانوں کا نذرانہ پیش کردیا ہے اور اسی قدر لعنتیں ان صلیبی اور صہیونی ظالموں پر جو دین واخلاق اور بین الاقوامی قوانین کی دھجیاں بکھیر کر اپنی خوں آشامی کی خو پوری کررہے ہیں اور ان خوفِ خدا سے عاری اور ہمت مردانہ سے خالی مسلم حکمرانوں پر جن کے سینوں میں شیطان نے ''دل'' کی بجائے پتھر کی ''سِل'' رکھ دی ہے، جن میں سے بعض علی الاعلان یا خفیہ طور پر اسرائیل کے ہم نوا ہیں اور بدترین قسم کی برادر کشی کے مرتکب ہورہے ہیں، بارِ الٰہا! اپنے ان مظلوم بندوں پر رحم فرما، جن سے مغرب ومشرق کی عداوت صرف اس لیے ہے کہ وہ تیرے پاک نام سے نسبت رکھتے ہیں، اور پروردگارا! ہلاک وبرباد فرما، ان شقی وبدبخت حکومتوں کو، جو بے قصور انسانوں کے خون میں ڈوبی ہوئی ہیں، یا اس میں مددگار ہیں!!

سوال یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ان مظلوم اور نہتے بھائیوں کی اخلاقی مدد کرنے کے سوا کچھ اور نہیں کرسکتے، انھیں کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اُصول بیان فرمادیا ہے کہ:

''جب تم میں سے کوئی شخص کسی برائی کو دیکھے تو اول اسے ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے، اگر اس پر قادر نہ ہو تو زبان سے اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے، یعنی دل سے برا سمجھے، اور دل میں یہ ارادہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ جب بھی قدرت دیں گے، وہ اُسے روکنے کی کوشش کرے گا''، [ابوداؤد، حدیث نمبر: ۴۳۴۰] ظلم و جور سے بڑھ کر کوئی منکر اور بُرائی نہیں، یہ تو دنیا میں شرک سے بھی بڑھ کر ہے؛ کیوں کہ دنیوی احکام کی حد تک شرک کو گوارا کیا جاسکتا ہے؛ لیکن ظلم ایسی بُرائی ہے، کہ وہ کسی طور پر قابل قبول نہیں، کفر وشرک بھی ایسا جرم نہیں کہ جو شخص پہلے سے اس عقیدہ پر ہو، اُسے قتل کرنا جائز ہو؛ لیکن اگر کوئی شخص کسی کا مال لے لے، کسی کی عزت وآبرو پر حملہ آور ہو، یا کسی کو قتل کردے تو وہ ضرور لائقِ سزا ہے، پس ظلم سب سے بڑی بُرائی ہے اور اپنی طاقت وصلاحیت بھر اس کی مخالفت واجب ہے۔

مخالفت اور ناراضگی کے اظہار کا ایک طریقہ ترک تعلق بھی ہے اور ظالموں کے ساتھ ترک تعلق کی تعلیم خود قرآن مجید نے دی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓی اَوْلِیَاءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ'' ۔[سورۃ المائدۃ: ۵۱] (اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور تم میں سے جو ان کو دوست رکھے گا، وہ ان ہی میں سے ہوگا، بے شک اللہ ظلم شعار لوگوں کو ہدایت نہیں دیتے)۔

اس آیت میں ایک جامع لفظ ''دوست نہ بنانے'' کا استعمال کیا گیا ہے، یہ ایک معنی خیز تعبیر ہے، جس میں قلب ونگاہ کی محبت، فکر ونظر میں تاثر، سماجی زندگی کی مماثلت اور مالی معاملات و تعلقات سب شامل ہیں، یہ کوئی شدت پر مبنی حکم نہیں ہے؛ بلکہ ظلم کے خلاف ناراضگی کے اظہار کا ایک طریقہ ہے، اس آیت کے اخیر میں ظالموں کا تذکرہ کرکے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا گیا، کہ جو یہود ونصاریٰ ظلم وجور پر کمربستہ ہوں، مسلمانوں کے لیے اپنی طاقت وقدرت کے مطابق ان سے بے تعلقی برتنا واجب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع پر اس حکم کو مزید

وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ارشاد ہے:

اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَاَخْرَجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ وَظٰھَرُوْا عَلٰی اِخْرَاجِکُمْ اَنْ تَوَلَّوْھُمْ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔[سورۃ الممتحنۃ:۹] (بے شک اللہ تم لوگوں کو ان لوگوں سے تعلق رکھنے سے منع کرتے ہیں، جنھوں نے تم سے دین کے معاملہ میں جنگ کی، تم کو تمہارے گھروں سے نکالا اور تمہارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی اور جو ان سے تعلق رکھیں، وہ بھی ظالم ہیں)۔

گھروں سے نکالنا، محض دین کی بنا پر آمادۂ قتل وقتال ہونا اور جو لوگ مسلمانوں کے شہروں اور آبادیوں کو ویران کرنے پر تلے ہوئے ہوں، ان کو مدد پہنچانا، یہ وہ اوصاف ہیں جن کے حامل بدطینت یہودیوں اور نصرانیوں سے بے تعلقی برتنے کا حکم دیا گیا ہے، غور کیجیے کہ کیا آج امریکہ و برطانیہ ان جرائم کے مرتکب نہیں ہیں؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ بوسنیا میں مسلمانوں کے قتل عام میں در پردہ برطانیہ نے ظالم سربوں کی مدد کی ہے، کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان ممالک کی جفا کاریوں اور ستم انگیزیوں کی وجہ سے افغانستان کے مسلمان بڑی ابتلاؤں سے گزرے ہیں؟ کیا یہ اس ظالم اسرائیل کے ناصر و مددگار نہیں ہیں، جو آئے دن بے قصور فلسطینی مسلمانوں کا قتل عام کرتے ہیں؟ اور جنھوں نے لاکھوں فلسطینیوں کو اپنے مادر وطن میں رہنے کے حق سے بھی محروم کر دیا ہے؟ قرآن نے جن یہود و نصاریٰ سے بے تعلق ہونے اور رشتۂ محبت کاٹ لینے کا حکم دیا ہے، ان مغربی طاقتوں میں ان میں سے کون سی بات نہیں پائی جاتی؟ پھر کیا ایسے اعداء دین سے بے تعلقی واجب نہ ہوگی؟

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۔[سورۃ الممتحنۃ:۸] (اللہ تعالیٰ تمہیں ان غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک اور انصاف سے نہیں روکتا، جنھوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہ کی ہو اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہ نکالا ہو، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں)۔

جو غیر مسلم بھائی انصاف کی روش پر قائم ہوں، وہ ہمارے انسانی بھائی ہیں اور ہمارے برادرانہ سلوک اور حسن اخلاق کے مستحق ہیں اور ان کے ساتھ زیادتی کسی طور جائز نہیں، بے تعلقی کا حکم ان لوگوں سے ہے، جنھوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں جارحانہ اور نا منصفانہ روش اختیار کر رکھی ہو، یہ سمجھنا کہ کسی خاص شخص کی حوالگی یا کسی خاص مطالبہ کی تکمیل مغربی طاقتوں کو مطمئن کر دے گی اور اسلام کے خلاف بغض وعناد کی جو آگ ان کے سینوں میں سلگی ہوئی ہے، اسے بجھانے میں کامیاب ہو جائے گی، محض ایک طفلانہ خیال ہے، اس عناد کا اصل نشانہ اسلامی فکر وعقیدہ، اسلامی تہذیب وثقافت اور مسلمانوں کا قبلۂ اول مسجدِ اقصیٰ ہے، قرآن نے یہود و نصاریٰ کی نفسیات اور ان کے اندرونی جذبات کی خوب ترجمانی کی ہے اور یہ بات جس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مبنی بر واقعہ تھی، اسی قدر آج بھی ہے کہ:

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ قُلْ اِنَّ ھُدَی اللّٰہِ ھُوَ الْھُدٰی وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَھْوَآئَھُمْ بَعْدَ الَّذِیْ جَآئَکَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ ۔[سورۃ البقرہ:۱۲۰] (یہود ونصاریٰ آپ سے اس وقت تک راضی ہو ہی نہیں سکتے، جب تک آپ ان کے دین کے پیرو نہ ہو جائیں، آپ کہہ دیجیے کہ ہدایت تو وہ ہے جو اللہ کی ہے، اگر آپ علم حاصل ہونے کے بعد بھی ان کی خواہشات کی پیروی کرنے لگیں تو آپ کے لئے اللہ کے مقابلہ کوئی حامی ومددگار نہ ہوگا)۔

قرآن نے اس میں یہود و نصاریٰ کے اندرونی جذبات کو کھول کر رکھ دیا ہے اور خلافتِ عثمانیہ کے سقوط سے اب تک عالم اسلام میں جو جنگیں ہوئی ہیں، وہ سب اس کے واضح شواہد ہیں، اس لیے جب تک مسلمان اپنے مذہبی تشخصات اور اپنے ثقافتی امتیازات کو خیر باد نہ کہہ دیں، مسجدِ اقصیٰ سے اور اپنے مقدسات سے دستبردار نہ ہو جائیں، اور پوری طرح مغربی فکر اور مغربی ثقافت کے سامنے جبین تسلیم خم نہ کر دیں، ان کی تشفی نہیں ہو سکتی اور انشاء اللہ مسلمان کبھی اس کے لیے تیار نہیں ہوں گے؛ اس لئے کہ وہ دین کے لیے سب کچھ کھونے کو ''پانا'' اور اللہ کی راہ میں رگ گلو کٹانے کو ''جینا'' تصور کرتے ہیں اور یہ ان کے ایمان وعقیدہ کا حصہ ہے۔

اس پس منظر میں ہم مسلمانانِ ہند قانون کے دائرہ میں رہتے ہوئے یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ ملک کی رائے عامہ کو حقیقت پسند بنائیں اور انھیں حقیقی صورتِ حال کا ادراک کرنے میں مدد دیں، منصف مزاج ہندو بھائیوں (جن کی آج بھی اس ملک میں اکثریت ہے) کو ساتھ لے کر حکومت ہند سے خواہش کریں کہ وہ اپنی ناوابستہ پالیسی پر قائم رہے اور امریکہ واسرائیل کی آنکھ بند کر کے حمایت نہ کرے......

............بقیہ صفحہ ۳۲ پر

اجتماعی اجتہاد

کلیدی خطبہ سہ روزہ فقہی سیمینار

مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء لکھنؤ - مؤرخہ ۲۰-۲۲ر اکتوبر ۲۰۲۳ء

مولانا عتیق احمد بستوی

الحمدللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی خاتم الأنبیاء والمرسلین، محمد بن عبداللہ الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، أمابعد!

نئے پیش آمدہ مسائل میں خاص طور سے وہ مسائل جن کا دائرہ اثر کافی وسیع ہو، اور مختلف الجہات ہونے کی وجہ سے ان کا شرعی حل پیچیدہ اور دشوار ہو اجتماعی اجتہاد کی ضرورت کا احساس دور قدیم سے چلا آرہا ہے، غیر منصوص مسائل میں ادلۂ شرعیہ کی روشنی میں حکم شرعی متعین کرنا بہت نازک اور حد درجہ ذمہ دارانہ عمل ہے، یہ کام انھیں خدا ترس، زمانہ شناس علماء اور فقہاء کا ہے جن کی ادلہ شرعیہ پر گہری اور وسیع نظر ہو، اور جن کے اندر استنباط مسائل کی بھرپور صلاحیت ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود صحابہ کرامؓ کو اصول اجتہاد سکھایا، اور غیر منصوص مسائل میں حکم شرعی کی دریافت انھیں کس طرح کرنی چاہیے، اس سلسلہ میں بنیادی رہنمائی فرمائی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن کا قاضی مقرر کیا، اور ان کو رخصت کرنے کے لیے ان کے ساتھ کچھ دور تشریف لے گئے، اس موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ان سے یہ سوال کیا کہ اے معاذ! اگر کوئی معاملہ پیش آئے تو تم کس چیز سے فیصلہ کروگے؟ انھوں نے عرض کیا: کتاب اللہ سے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں حکم موجود نہ ہو تو کیا کروگے؟ کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کروں گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ اگر سنت رسول میں بھی اس کا حکم نہ ملے تو کیا کروگے؟ تو انھوں نے عرض کیا کہ میں قیاس سے فیصلہ کروں گا، اور اس میں کوئی کمی نہیں کروں گا (یعنی پورے غور وخوض کے بعد اور حکم شرعی پر مطمئن ہونے کے بعد فیصلہ کروں گا) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جواب پر ان کا سینہ تھپتھپایا، اور فرمایا کہ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے رسول کے فرستادہ کو اس جواب کی توفیق دی، جس کو اللہ اور اس کے رسول پسند فرماتے ہیں۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی اس حدیث کو بہت سے محدثین نے روایت کیا ہے اور تمام فقہاء نے قیاس کی حجیت میں اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے، حافظ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب "اعلام الموقعین عن رب العالمین" میں بڑی اہمیت سے اس حدیث کو نقل فرمایا ہے اور اس کی اچھی تشریح کی ہے، اس کی روایتی حیثیت پر بھی کلام کیا ہے۔

[ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین عن رب العالمین، للعلامۃ ابن قیم الحنبلی، جلد اول ص ۲۰۲، طبع دار الفکر بیروت لبنان]

خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کبار صحابہؓ کے سوال کے جواب میں انہیں ہدایت دی کہ اگر کتاب وسنت میں کسی مسئلے کا حکم نہ ملے تو خدا ترس ماہر علماء کے اجتماعی مشورے سے اس کا حکم متعین کیا جائے گا، اور انفرادی رائے کو بروئے کار نہ لایا جائے، چنانچہ طبرانی نے "المعجم الأوسط" میں حضرت علی بن ابی طالبؓ کی حدیث نقل فرمائی ہے:

قلت یارسول اللہ! الأمر ینزل بنا لم ینزل فیہ القرآن ولم تمض فیہ منک السنۃ فقال: أجمع العالمین من المؤمنین فاجعلوہ شوری بینکم ولا تمضوا فیہ برأی واحد

(حضرت علی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول اگر ہمارے سامنے کوئی معاملہ آتا ہے جس کے بارے میں نہ قرآن میں کوئی حکم ہو اور نہ آپ کی کوئی سنت ہو تو ہم کیا کریں؟ آپ نے فرمایا: اہل ایمان میں سے علماء کو جمع کرو، علماء اسے باہمی مشورہ سے طے کریں، کسی ایک کی رائے سے اس میں فیصلہ نہ کرو)۔

(اس حدیث کی روایت امام طبرانی نے "المعجم الأوسط" میں کی ہے، جس کے رواۃ ثقہ ہیں اور صحیح بخاری کے رواۃ ہیں، جیسا کہ علامہ ہیثمی نے "مجمع الزوائد" ج ۱ ص ۱۷۸ میں لکھا ہے، علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "مفتاح الجنہ" میں اسے صحیح قرار دیا ہے، یہ روایت کنزل العمال میں بھی ہے، حدیث نمبر: ۴۱۸۸، حافظ ابن عبدالبر نے امام مالک کی سند کے ساتھ اس حدیث کی روایت اپنی کتاب جامع بیان العلم و فضلہ ج ۱ ص ۱۶ میں کی ہے)۔

دورِ صحابہؓ میں اجتماعی اجتہاد

دورِ صحابہ میں شرعی مسائل مین اجتماعی غور و خوض کا رواج رہا، خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت مین شرعی مسائل اور انتظامی مسائل پر غور وخوض کے لئے دو شوری بنا رکھی تھی؛ نمبر ایک :خصوصی شوری- جن میں مہاجرین اولین میں سے بلند پایہ صحابہ اور انصار میں سے کبارِ صحابہ شامل تھے، ان حضرات سے حضرت عمرؓ چھوٹے بڑے تمام معاملات میں مشورہ کرتے تھے، دوسرے:عمومی شوری- جو اس سے کہیں وسیع تھی، کوئی اہم معاملہ پیش آنے پر حضرت عمر اس شوری کو بلاتے تھے، مدینہ منورہ میں جو بھی فہم وفراست والے اور صائب الرائے افراد ہوتے تھے، انھیں اس میں شامل کیا جاتا، عام طور سے مسجد نبوی میں یہ شوری ہوتی لیکن اگر مجمع زیادہ ہوجاتا تو مسجد نبوی کے باہر اور کبھی مدینہ منورہ کے باہر لوگوں کو جمع کیا جاتا اور معاملہ ان کے سامنے پیش کیا جاتا اور رائے لی جاتی۔

سواد عراق کی زمینوں کے بارے میں جب اختلاف پیدا ہوا تو حضرت عمرؓ نے اس پر غور وخوض کرنے کے لیے یہی بڑی شوری بلائی تھی، دو یا تین روز تک مشورہ ہوا پھر فیصلہ ہوسکا، جو صحابہ عراق کی فتح میں شامل تھے ان کا کہنا تھا کہ سواد عراق کی زمینیں فاتحین کے درمیان تقسیم کردی جائیں جس طرح مالِ غنیمت میں حاصل ہونے والے اموال منقولہ تقسیم ہوا کرتے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اسے مال فئی قرار دیا جائے، مجاہدین پر تقسیم نہ کیا جائے تاکہ مسلمانوں کی آئندہ نسلیں بھی اس سے مستفید ہوں اور اسلامی حکومت کی بنیادی ضروریات بھی اس کی آمدنی سے پوری کی جائے، بالآخر دو تین روز کی اجتماعی غور وخوض کے بعد صحابہ کرام کی اس عظیم شوری میں یہی طے پایا کہ سواد عراق کی زمینوں کو مال فے قرار دیا جائے اسے فتح کرنے والے مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے کیوں کہ اس کی آمدنی سے آنے والی نسلوں کے حقوق بھی متعلق ہیں، [اس واقعہ کی تفصیل ابوعبید قاسم بن سلاّم کی "کتاب الأموال" فقرہ نمبر۱۴۹تا۱۵۳میں موجود ہے، نیز ملاحظہ ہو،ابن رشد کی "بدایة المجتهد" جلد۱ص ۳۲۴،ردالمختار ج۳ باب المغنم وقسمته]۔

دورِ صحابہ اور دور تابعین میں اجتہاد واستنباط کرنے والے حضرات عام طور پر دوسرے اہل علم سے مشورہ اور مذاکرہ کرلیا کرتے تھے، انھیں ایک دوسرے سے پوچھنے اور استفادہ کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی تھی، تمام فقہائے صحابہ و تابعین تواضع ،فروتنی کی صفات سے متصف تھے، دین اور علم سیکھنے کے حد درجہ حریص تھے، انھیں ایک دوسرے سے استفادے میں عار محسوس نہیں ہوتی تھی، اپنے بڑوں اور اپنے معاصرین سے استفادہ کرنے کے علاوہ وہ اپنے چھوٹوں سے بھی علمی استفادہ کیا کرتے تھے، اور مسائل میں باہم مذاکرہ ان کا روز مرہ کا معمول تھا، تمام ائمہ مجتہدین بھی انہیں صفات سے متصف تھے اور ان کے اجتہاد میں اجتماعی غور وخوض کا عنصر بھی موجود تھا، دور تابعین میں مدینہ منورہ کے فقہاء سبعہ ایک دوسرے سے مشورہ کرنے اور استفادہ کرنے کے عادی تھے۔

فقہ حنفی اور اجتماعی اجتہاد

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسائل پر غور کرنے کا انداز واضح طور پر مشاورتی اور اجتماعی تھا، امام صاحب کے تلامذہ مقام اجتہاد پر فائز تھے، اور انھیں مختلف علوم میں درک تھا، امام صاحبؒ کے ساتھ بیٹھ کر مسائل پر اجتماعی غور وخوض کرتے تھے، ہر ایک کو اپنی بات پیش کرنے اور اس پر دلائل کا اظہار کرنے کا پورا موقع ہوتا تھا، اس طرح فقہ حنفی کے خمیر میں اجتماعی اجتہاد شامل رہا ہے، جیسا کہ اہل علم اس سے واقف ہیں۔

دورِ حاضر میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت

انیسویں اور بیسویں صدی میں صنعتی اور سیاسی انقلابات کے نتیجے میں زندگی کے مختلف میدانوں میں بے شمار نئے پیچیدہ مسائل نے جنم لیا، معاشیات کی نئی نئی شکلیں وجود میں آئیں، صنعت وحرفت کے میدان میں ہزاروں نئی مصنوعات وجود میں آئیں، سائنسی ترقیات کے نتیجے میں انسانوں نے فضاؤں اور سمندروں کو مسخر کیا، ستاروں پر کمند ڈالی، ان غیر معمولی تغیرات نے ہزاروں نئے مسائل پیدا کیے، جن پر شرعی اصولوں کی روشنی میں غور کرنا اور حکم شرعی طے کرنا ضروری ہوگیا، اس مرحلے میں علماء کے طبقے میں شدت سے اس بات کا احساس ابھرا کہ ان نئے پیچیدہ مسائل کو حل کرنے کے لیے بابصیرت علماء اور فقہاء کے اجتماعی غور وخوض اور اجتماعی استنباط و اجتہاد کی حد درجہ ضرورت ہے۔

سب سے پہلے شام کے مشہور مصنف اور مؤرخ رفیق بک العظم (المتوفی ۱۹۲۵ء) نے اس موضوع پر "قضاء الفرد وقضاء الجماعة" کے نام سے ایک مختصر رسالہ تصنیف کیا، مصر میں اس کی اشاعت ہوئی اور دور دور تک اس رسالے کی گونج پہونچی، پھر اس دور کے متعدد بلند پایہ فقہاء نے اس فکر و خیال کو آگے بڑھایا اور اس پر تحریریں

لکھیں، خاص طور سے شیخ مصطفی احمد زرقاء نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب " المدخل الفقهي العام" میں اجتماعی اجتہاد کی ضرورت اور اہمیت پر بہت مؤثر اور جامع انداز میں گفتگو فرمائی اور رفتہ رفتہ مسلم ممالک میں اجتماعی اجتہاد و استنباط کے نظریے کو قبولیت حاصل ہوئی، اور اسے عملی شکل دینے کے لئے مختلف اقدامات سامنے آئے۔

دورِ حاضر میں اجتماعی اجتہاد کی کوششیں

اس سلسلے میں سن ۱۹۶۱ء کافی اہمیت کا حامل ہے، اس سال عالم اسلام میں دو اہم کانفرنسیں منعقد ہوئیں، پہلی کانفرنس دمشق میں "أسبوع الفقه الاسلامي" (فقہ اسلامی ہفتہ) کے عنوان سے منعقد ہوئی، جس میں عالم اسلام کے چوٹی کے علماء اور فقہاء نے فقہ اسلامی کے اہم موضوعات پر مقالے پڑھے، اور مناقشے ہوئے اس میں اجتماعی اجتہاد کا موضوع بھی بار بار زیر بحث آیا، اس کے فوائد، طریقہ کار وغیرہ پر گفتگو ہوئی، دوسری کانفرنس اسی سال جامعة الأزهر قاهره میں "موتمر المجمع البحوث الاسلاميه" کے نام سے منعقد ہوئی اور اس میں بہت بڑے پیمانے پر پوری دنیا سے خصوصاً عالم اسلام سے ممتاز علماء اور فقہاء کو جمع کیا گیا، اور فقہ اسلامی کے موضوع پر بڑے فکر انگیز مقالات پڑھے گئے، اور مناقشے ہوئے، فقہی مسائل پر اجتماعی غور وخوض کے لیے سن ۱۹۶۱ء میں جامعة الأزهر قاهره کے "مجمع البحوث الاسلامية" کی تاسیس ہوئی، یہ ادارہ عالم اسلام میں اجتماعی اجتہاد کے سلسلہ میں پہلا مبارک قدم ہے۔

اسی ادارے کی طرف سے مذکورہ بالا کانفرنس بلائی گئی تھی اور جامعہ الازہر کا یہ ادارہ اجتماعی اجتہاد کے سلسلے میں کچھ نہ کچھ عملی اقدامات کرتا رہا، اور اس کے نتائج سامنے آتے رہے، اگر چہ بعد میں یہ ادارہ مختلف اسباب کی بنا پر زیادہ سرگرم عمل نہیں رہ سکا۔

عالم اسلام میں نئے مسائل پر اجتماعی غور و خوض اور اجتماعی اجتہاد کا جو آوازہ بلند کیا گیا تھا، اس کی گونج ہندوستان تک پہونچی، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ عالم اسلام کے حالات پر گہری نظر رکھتے تھے، اور مسلم ممالک میں جو علمی اور فکری رجحانات پروان چڑھ رہے تھے اور جو تحریکیں برپا تھیں ان سے بخوبی واقف تھے، حجاز اور مصر وشام وغیرہ کا سفر کر کے وہاں کی اہم علمی شخصیات، اداروں اور جامعات سے بخوبی واقف تھے، خاص طور سے مصر وشام کی اہم فکری اور علمی شخصیات سے براہ راست ملاقاتیں کر چکے تھے، ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی، شیخ مصطفی احمد زرقاء، شیخ ابوزہرہ وغیرہ سے ان کے گہرے شخصی رابطے تھے اور عالم عرب میں ہونے والے علمی، فقہی، ادبی، کاموں پر مولانا موصوف کی بڑی مبصرانہ نظر تھی، انھیں اس بات کا احساس تھا کہ عالم اسلام میں اور برصغیر ہندوپاک میں کن دعوتی، علمی، تحقیقی کاموں کی ضرورت ہے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کا قیام

چنانچہ انھوں نے اپنے چند بلند پایہ معاصرین (حضرت مولانا منت اللہ رحمانی، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہم اللہ) کے مشورے سے برصغیر ہندو پاک میں نئے فقہی مسائل پر اجتماعی غور وخوض، اجتماعی استنباط واجتہاد کے عمل کو شروع کرنے کا فیصلہ فرمایا، مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی داغ بیل ڈالی، ستمبر ۱۹۶۳ء میں مجلس تحقیقات شرعیہ کی تاسیس ہوئی، اس کا طریقہ کار طے کیا گیا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر یکم ستمبر ۱۹۶۳ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ملک کے ممتاز ترین علماء کا مشاورتی اجتماع ہوا، حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی کی صدارت میں یہ مجلس منعقد ہوئی، جس میں نئے حالات سے پیدا ہونے والے مسائل پر شرعی نقطہ نظر سے غور وخوض اور ملت کی رہنمائی کے لیے مجلس تحقیقات شرعیہ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا، تلاوت قرآن کریم کے بعد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک مقالہ "مسلم ممالک میں پرسنل لا اور جدید تمدن کے پیدا کیے ہوئے قابل غور مسائل" کے عنوان پر پیش کیا اس میں مسلم پرسنل لا کے بارے میں مسلم ممالک کے اب تک کے اقدامات کا جائزہ لیا گیا تھا اور نئے مسائل پر غور کرنے کے لیے اجتماعی اجتہاد کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی گئی تھی، دوسرا مقالہ مجلس تحقیقات شرعیہ کے پہلے ناظم حضرت مولانا تقی امینی صاحب نے "تدوین فقہ کی تاریخ اور موجودہ حالات کا جائزہ" کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کیا، اس مقالے میں ماضی میں اجتہادی کوششوں کے تسلسل کو پیش کرتے ہوئے موجودہ وقت میں اجتماعی غور وخوض کی اہمیت اور اس کے طریقہ کار پر روشنی ڈالی گئی تھی، اس مجلس میں بعض دوسرے شرکاء نے بھی اظہار خیال فرمایا، جن میں حضرت مولانا محمد منظور نعمانی اور حضرت مولانا مفتی رضا انصاری فرنگی محلی کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اس مجلس میں درج ذیل قرارداد منظور کی گئی:

"نئے حالات اور ایجادات نے جو ایسے مسائل پیدا کردیے ہیں جن کا واضح حکم ہماری فقہ میں موجود نہیں یا وہ معاملات ومسائل جنھوں نے موجودہ زمانے میں نئی شکل اختیار کرلی ہے، ان مسائل میں

غور وفکر اوران کے بارے میں ممکن حد تک اجتماعیت پیدا کرنے کے لیے اصحاب نظر علماء کی ایک مجلس تشکیل کی جائے"۔[روداد پہلی نشست، قلمی]

اس ابتدائی مشاورتی نشست میں جن چودہ بزرگوں نے شرکت فرمائی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱- مولانا محمد منظور نعمانیؒ (مدیر ماہنامہ الفرقان، لکھنؤ)

۲-مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ (معروف محدث)

۳-مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ (ناظم ندوۃ العلماء)

۴-مولانا فخر الحسنؒ (استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند)

۵-مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ (دارالمصنفین اعظم گڑھ)

۶- مولانا سید منت اللہ رحمانیؒ (خانقاہ رحمانی مونگیر)

۷-مولانا عمران خاں ندویؒ (تاج المساجد بھوپال)

۸-مولانا ابواللیث ندویؒ (جماعت اسلامی ہند)

۹-مولانا عبدالماجد دریابادی (مفسر قرآن ومدیر صدق جدید)

۱۰-مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلیؒ (مدیر الفرقان لکھنؤ)

۱۱-مولانا محمد تقی امینیؒ (دارالعلوم ندوۃ العلماء)

۱۲-مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ (دارالعلوم ندوۃ العلماء)

۱۳-مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ (مدیر ماہنامہ برھان دہلی)

۱۴-مولانا رضا انصاریؒ (مفتی فرنگی محل)

اس ابتدائی نشست میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے اراکین کے نام بھی طے پائے، اراکین کی فہرست اٹھائیس ناموں پر مشتمل ہے یہ سارے حضرات ملک کے ممتاز ترین چوٹی کے اہل علم تھے، جن کا تعلق مختلف مکاتب فکر اور حلقوں سے تھا۔

مجھے خوشی ہے کہ مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء کے رفیق مولانا منور سلطان ندوی نے "مجلس تحقیقات شرعیہ ندوۃ العلماء-- مختصر تاریخ اور تشکیل نو کا خاکہ" کے عنوان سے مجلس کا قیام اور اس کے کاموں کا تعارف بڑے سلیقے سے مرتب کردیا ہے، اور مجلس نے کتابی صورت میں اس کو شائع کردیا ہے، امید ہے کہ یہ رسالہ آپ کی خدمت پہونچ چکا ہوگا یا پہونچ جائے گا، اس رسالے میں مجلس تحقیقات شرعیہ کے مقاصد اور اس کے علمی کاموں نیز مستقبل کے عزائم کا بخوبی علم ہوتا ہے۔

مفکر اسلام علیہ الرحمہ کے مقالہ کے بعض اقتباسات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بانی مجلس تحقیقات شرعیہ اور اس کے اولین صدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ابتدائی نشست میں پیش کردہ مقالہ کے بعض اہم اقتباسات پیش کردیئے جائیں، ان سے مجلس کے مقصد، طریقہ کار وغیرہ پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔

"اس علمی وسعت نظر اور وسعت قلب کے ساتھ جو ہمارا دینی فریضہ اور علماء سلف کی روایت ووراثت ہے، ہم اس حقیقت کا بھی برملا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے لئے کوئی مسلم ملک قطعی وکلی طور پر واجب الاتباع اور واجب التقلید نہیں اور نہ کسی ملک کے جدید رجحانات نئے قوانین اور حکومتی فیصلے ہمارے اوپر حجت بن سکتے ہیں، ماسوا اس بات کے کہ یہ کوئی شرعی اور فقہی دلیل نہیں۔

قانون اسلامی کے مآخذ اور اس کی بنیادیں کتاب وسنت، اجماع وقیاس عالمگیر ودائمی مآخذ ہیں اور انھیں کی روشنی میں ہر زمانے میں کام ہوا ہے، اور آئندہ کام ہوگا، اور ماسوا اس بات کے کہ ایک مسلمان پر کسی دوسرے مسلمان کا عمل یا رجحان حجت نہیں بن سکتا، حجت صرف اللہ کی کتاب، اس کے رسول کی سنت صحیحہ اور استنباط مسائل کے وہ مآخذ اور سرچشمے ہیں جن پر کسی ملک یا قوم کی اجارہ داری نہیں ہے، اور امام احمد بن حنبلؒ کی زبان سے نکلا ہوا یہ فقرہ اب بھی فضا میں گونج رہا ہے اور قیامت تک گونجتا رہے گا کہ: "ائتونی بشئ من کتاب اللہ و سنة رسوله حتی اقول به"۔

ماسوائے ان سب حقائق کے یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود ہندوستان اپنی ایک مستقل و منفرد علمی و دینی شخصیت رکھتا ہے، عالم اسلام کی دینی وعلمی تاریخ میں اس کا اپنا ایک مقام رہا ہے، جب سارے عالم اسلام پر فکری اضمحلال وعلمی انحطاط کے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے اور کوئی ایسی شخصیت وہاں نہیں پیدا ہو رہی تھی جو متوسط علمی سطح سے بلند ہو، اور کوئی مجتہدانہ فکر یا نئی علمی تحقیق پیش کرسکے تو ہندوستان نے ایسے باکمال اور مجتہد الفکر علماء ومصنف پیدا کیے جن کے علمی تفرد اور مجتہدانہ قابلیت کا سکہ عرب وعجم نے مان لیا، اور علمی وتدریسی حلقے عرصہ تک ان کی کتابوں اور ان کے متون کی شروح سے گونجتے رہے۔

علامہ محمود جونپوریؒ، ملا محب اللہ بہاریؒ، مولانا عبدالعلی بحرالعلومؒ، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ عبدالعزیز، مولانا عبدالحئی فرنگی محلیؒ، اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نام خاص طور پر لئے جاسکتے ہیں، عصر حاضر میں بھی مولانا انور شاہ کشمیری اور مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاریؒ، اور مولانا مناظر

احسن گیلانیؒ، جیسے فقیہ النفس عالم پیدا کیے، جو اس اہم کام کی تکمیل کے لیے نہایت موزوں تھے، پھر اس سب کے ماسوا ہندوستان نے دینی استقامت، فکری توازن اور رسوخ فی العلم کا ایسا ثبوت دیا کہ وہ دوسرے عرب اور اسلامی ممالک کے لیے ایک قابل تقلید مثال بن گیا، اور آج بھی عرب اور قدیم اسلامی ممالک کے اہل علم واہل فکر ہندوستان کی طرف عظمت واحترام کی نظر سے دیکھتے ہیں اور بہت سے مسائل میں اس سے دینی وعلمی رہنمائی کے طالب ہوتے ہیں، اس لیے کسی ایسے مسئلے میں جس میں غلط تجدد، مغربی افکار واقدار سے مرعوبیت، قانون سازی میں سطحیت وعجلت صاف جھلکتی ہو اور شرعی اصول اس کی تائید نہ کرتے ہوں، ہمارے لیے کسی بڑے سے بڑے مسلمان یا عرب ملک کا کوئی فعل یا قانون حجت نہیں بن سکتا، اگر سارا عالم اسلام کسی غلط چیز پر اتفاق کرلے اور سارے مسلمان ممالک اور وہاں کے علماء کوئی غلط فیصلہ کریں یا اپنے حدود سے تجاوز کریں تو بھی ہم ہندوستانی مسلمان شریعت اسلامی کو اپنے سینے سے لگائے رکھنے اور خدا کے قانون کو آخری قانون سمجھتے رہنے کا فیصلہ کرچکے ہیں، اور اگر خدانخواستہ سارا عالم اسلام بھی دین وشریعت سے انحراف کرے تو بھی کسی چھوٹی سے چھوٹی اقلیت کے لیے بھی یہ انحراف حجت اور وجہ جواز نہیں ہوگا۔

دوسرے، ہم پوری قوت کے ساتھ اس بات کو بھی واضح کردینا چاہتے ہیں کہ یہ کام تنہا ماہرین فن، اصحاب اختصاص اور ان علماء کرام کا ہے جو ہر قسم کے دباؤ اور نفوذ سے آزاد ہیں اور ہر غلط رجحان اور خام خیالی سے محفوظ ہیں، یہ کام خالص علمی انداز پر آزادانہ فضا میں اور پورے اخلاص، سنجیدگی و گہرائی، غور وفکر، مشورے و تعاون کے ساتھ ہونا چاہیے، اور درحقیقت اس مجلس کا انعقاد اسی راہ کا پہلا قدم ہے، خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم اپنی علمی و دینی ذمہ داریاں اچھے طریقے پر ادا کریں، اور قبل اس کے کہ یہ کام غلط طریقے پر ہو ہم صحیح طریقے پر انجام دینے کی توفیق پائیں''۔

[مجلس تحقیقات شرعیہ کا علمی منہج: ص ۱۷-۱۹]

عالم عرب سے رابطہ کی کوشش

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یکم ستمبر ۱۹۶۳ء کو مجلس تحقیقات شرعیہ کی تاسیسی میٹنگ میں جو خطبہ پیش فرمایا اس سے مجلس کے تعلق سے ان کے عزائم اور مقاصد پر روشنی پڑتی ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد ومنشا یہ تھا کہ نہ صرف برصغیر ہند وپاک کی سطح پر نئے مسائل کے بارے میں اجتماعی غور وخوض کا کام شروع کیا جائے، بلکہ عالم عرب کے ممتاز ترین فقہاء اور اصحاب افتاء سے بھی اس کام میں مدد لی جائے، اگر ان کی باقاعدہ شرکت دشوار ہو تو کم از کم خط وکتابت کے ذریعہ نئے مسائل کے بارے میں ان کی آراء حاصل کی جائیں اور ان سے استفادہ کیا جائے۔

مجلس تحقیقات شرعیہ کی کارروائی رجسٹر میں پہلی نشست کی تفصیلات کے ذیل میں بیرون ہند کے منتخب علماء کی جو فہرست درج ہے، ان میں عالم عرب کے دس معروف علماء کے نام بھی شامل ہے، جو درج ذیل ہیں:

۱- شیخ محمد حسنین محمد مخلوف (مصر)
۲- علامہ ابوزہرہ (مصر)
۳- شیخ محمد الغزالی (مصر)
۴- استاذ مصطفیٰ احمد زرقاء (شام)
۵- شیخ ابوالیسر عابدین (شام)
۶- استاذ مصطفیٰ السباعی (شام)
۷- شیخ عبدالفتاح ابوغدۃ (شام)
۸- شیخ حسن المشاطہ (مکہ)
۹- شیخ امین الکتبی (مکہ)
۱۰- شیخ عبدالعزیز بن باز (حجاز)

واقعہ یہ ہے کہ نئے پیش آمدہ مسائل پر اجتماعی غور وخوض اور اجتماعی اجتہاد کے لئے اب تک ایک ہی کوشش وجود پذیر ہوئی تھی، جامعہ الازہر میں ۱۹۶۱ء میں مجمع البحوث الاسلامیہ کا قیام عمل میں آیا تھا، اور اس کی ایک کانفرنس بھی ہوئی تھی، جس سے عالم اسلام میں نئے مسائل پر اجتماعی غور وخوض کی ضرورت کا احساس بڑھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس سے قبل متعدد بار عالم عرب کا دورہ کرچکے تھے اور مصر وشام وحجاز کے علمی، تحقیقی اداروں کو دیکھ چکے تھے، اور وہاں کی بلند پایہ شخصیات یعنی عالم عرب کے مفکرین، فقہاء ومحدثین سے آپ کی ملاقاتیں ہوچکی تھیں، ملک شام کی دو بلند پایہ شخصیات ڈاکٹر محمد مصطفیٰ سباعی اور ڈاکٹر مصطفیٰ احمد زرقاء کی تصنیفات سے خاص متاثر تھے، انھوں نے اپنے خطبہ میں اس بات کا ذکر بھی فرمایا کہ:

''مجھے اپنے فاضل دوست استاذ مصطفیٰ الزرقاء کی اس رائے سے بالکل اتفاق ہے کہ اس زمانہ میں انفرادی اجتہاد اور شخصی اظہار رائے بہت خطرناک ہے، اور اس سے بڑے انتشار اور نئے نئے فتنوں کا اندیشہ ہے، ان مسائل پر مستند اور محتاط علماء کو اجتماعی طور پر غور کرنا چاہیے اور اجتماعی طور پر اپنا فیصلہ دینا چاہیے''۔ (جاری)

☆☆☆☆☆

وفیات

آہ! مولانا محمد شاہد حسنی رحمۃ اللہ علیہ

ڈاکٹر سراج الدین ندوی

۶/اکتوبر ۲۰۲۳ء کو یہ خبر ملی کہ مولانا محمد شاہد حسنی جنہیں ہم مدظلہ العالی لکھتے تھے، وہ دارِفانی سے دارِ ابدی کی جانب روانہ ہوگئے ہیں، جہاں ہر کسی کو جانا ہے: ”كل نفس ذائقة الموت“ (ہر ذی روح کو موت کا مزہ چکھنا ہے) موت ایسی حقیقت ہے جس سے اسے بھی دوچار ہونا جو آخرت کا انکار کرتا ہے۔ موت کا شکنجہ ہر چھوٹے، بڑے، امیر وغریب ،فقیر اور بادشاہ سب کو اپنے اندر جکڑ لیتا ہے۔ مولانا کی شخصیت اور ان کی یادیں یہ خبر سن کر ذہن کے پردہ پر بہت دیر تک ابھرتی رہیں۔ مولانا کے وہ الفاظ آج بھی میرے کانوں میں گونجتے ہیں اور مجھے سکون عطا کرتے ہیں جو انھوں نے میرے دو بچوں کی حادثاتی موت پر کہے تھے۔ وہ بہت دیر تک فون پر مجھے تسلی دیتے رہے۔ انھوں نے کہا: ”آپ کے دونوں بچے اللہ کے راستہ میں شہید ہوئے ہیں، ان کی وفات پر آپ کا صبر آپ کو بہشت میں ان کی رفاقت عطا کرے گا۔“ مولانا سے ایک ماہ قبل ہی فون پر گفتگو ہوئی تھی۔ میں نے جلد ہی حاضر خدمت ہو کر شرف لقا حاصل کرنے کا اظہار کیا تھا۔ ۴-۵/نومبر کو عالمی رابطہ ادب اسلامی کی جانب سے جامعۃ الفیصل تاج پور میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ پر ایک سمینار منعقد ہو رہا ہے۔ اس کا کنوینر راقم کو بنایا گیا ہے۔ مجھے اس میں مولانا کو شرکت کی دعوت دینے کے لیے مظاہر علوم سہارن پور جانا تھا۔ ابھی میں نے سفر کی تاریخیں متعین نہیں کی تھیں کہ مولانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سفر پر چلے گئے۔ اس سے قبل جب میں اپنے بعض دوستوں کے ساتھ مظاہر علوم حاضر ہوا تھا تو مولانا کا اصرار تھا کہ مجھے عشائیہ ان کے ساتھ کرنا ہے۔ میں نے بہت معذرت چاہی، لیکن مولانا نے اصرار کیا کہ جب آپ بعد مغرب ملاقات کے لیے آرہے ہیں تو عشائیہ میرے ساتھ ہی تناول کرنا ہے۔ یہ واقعہ ۲۰۱۹ء کا ہے۔ یہ ہماری آخری ملاقات ثابت ہوئی۔ اس لیے کہ گوناگوں مصروفیت کے باعث دوبارہ ابھی تک سہارنپور جانا ممکن نہ ہوسکا۔

مولانا مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے، لیکن وہ ایک عملی انسان تھے۔ وہ بہترین عالم دین، معتدل قلم کار، قابل تقلید منتظم تھے۔ انھوں نے مظاہر علوم جدید کو جس طرح اونچائیوں پر پہنچایا ہے وہ ان کا عظیم الشان کارنامہ ہے جسے آسانی سے فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے اندر بلا کی سادگی، انکساری اور تواضع پائی جاتی تھی۔ وہ ”من تواضع لله فقد رفعه الله“ [حدیث] (جو تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کے مرتبے بلند فرماتا ہے) کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

مولانا ایک اچھے قلم کار تھے۔ ان کی تصانیف کی تعداد پچاس سے زائد ہے۔ انھیں بچپن ہی سے لکھنے پڑھنے کا ذوق تھا، شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلویؒ نے اپنی اولین تالیف ”تاریخ مظاہر علوم“ کا ناتمام اور غیر مکمل مسودہ انھیں یہ کہ کر عنایت کیا تھا کہ: ”میں نے ۱۳۳۵ھ میں مظاہر علوم سے فراغت کے بعد تاریخ مظاہر اور تاریخ مشائخ چشت لکھنی شروع کی تھی، لیکن پھر بعد میں أوجز المسالك اور لامع الدراري وغیرہ کی وجہ سے یہ دونوں کتابیں ناقص رہ گئیں۔ اب تو ان کی تکمیل کردے“۔

مولانا کا تعلق ایک علمی خانوادہ سے تھا اور انھوں نے اپنے وقت کے اکابر علماء کی صحبت میں پرورش پائی تھی۔ ان کی صحبت اور تربیت سے اپنی صلاحیتوں کو نکھارا تھا۔ وہ اپنے اسلاف کے بہترین خلف تھے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان کو اپنے اساتذہ، اپنے مشائخ اور اپنے اسلاف کی کس طرح تقلید و پیروی کرنی چاہیے اور ان کی تعلیمات سے فائدہ اٹھا کر کس طرح اپنی شخصیت کو اوپر اٹھانا چاہیے۔ اپنے چھوٹوں سے محبت کرنا اور اپنے بڑوں کی عزت کرنا بہت سے لوگوں نے ان سے سیکھا ہے۔ یہ ان کا خاص وصف تھا۔

مولانا مشہور عالم دین، اپنے وقت کے ولی کامل، مظاہر علوم کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے نواسہ تھے۔ مرحوم نے اپنے نانا سے کتابی علم بھی حاصل کیا تھا اور روحانی فیض بھی۔ مولانا زکریاؒ سے میں نے بھی 'مسلسلات الحديث' پڑھی اور اس کی سند بھی ان سے حاصل کی۔ گویا کہ مرحوم سے میرا ایک رشتہ یہ تھا کہ ہم دونوں ایک استاذ کے شاگرد تھے۔ شیخ سے یہاں کون ناواقف ہے۔ ان کی لکھی ہوئی کتاب تبلیغی نصاب سارے عالم میں مشہور ہے۔ لاکھوں مساجد میں پڑھی جاتی ہے۔ انسان پر اپنے نانا کا اثر زیادہ ہوتا ہے اس لیے کہ خواتین اپنے بچوں کے سامنے اپنے مائکے والوں کو آئیڈیل بنا کر پیش کرتی ہیں۔ مولانا کے نانا شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلویؒ تو سب کے لیے ہی آئیڈیل تھے۔ مولانا مرحوم نے اپنے نانا کے جملہ آثارِ علمیہ مکاتیب، اور دوسری کتابوں کو منظر عام پر لانے کے اور ان کے ترجمے وتعارف کے لیے زندگی وقف کردی، اور جس طرح شیخ کی زندگی کے

نقوش اور تاریخ کو تحریری شکل میں مدون کیا، وہ تشنگانِ علم اور راہِ سلوک کے مسافروں کے لیے ایک سرمایہ بے بہا ہے، یہ مولانا کا بڑا کارنامہ ہے۔

مولانا سید محمد شاہد حسنی سہارنپوری کی ولادت ۲۶/ربیع الاول ۱۳۷۰ھ مطابق ۵/جنوری ۱۹۵۱ء کو شہر سہارنپور میں اپنے نانا شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ کے دولت کدہ پر ہوئی۔ ان کے والد سید محمد الیاسؒ (متوفی: ۱۴۳۸ھ م ۲۰۱۷ء) حافظ قرآن اور دو واسطوں سے سید احمد شہید بریلویؒ کے خلیفہ ومجاز سید احمد حسینؒ کے فرزند تھے۔ نیز ان کی والدہ شاہدہ خاتون (متوفی: ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء) شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ مہاجر مدنی کی پہلی زوجہ سے پانچویں اور آخری بیٹی تھیں۔

ان کے ناظرہ پارۂ عم کا آغاز ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۷۵ھ مطابق ۲۸/جولائی ۱۹۵۶ء کو خانقاہ قادریہ رائے پور میں شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے پاس ہوا، ان کے لیے حفظ وناظرہ کے ایک مستقل استاذ مقرر تھے، آپؒ نے محض دس سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا۔ آپ نے ہدایۃ النحو اور کافیہ تک کی عربی وفارسی کی کتابیں مدرسے سے الگ گھر ہی پر مدرسہ مظاہر علوم کے ایک قدیم استاذ محمد یامین سہارنپوریؒ سے پڑھیں، اس کے بعد ۱۵/شوال ۱۳۸۵ھ مطابق ۶/فروری ۱۹۶۶ء کو مظاہر علوم میں باضابطہ داخلہ لے کر قطبی تصدیقات، اصول الشاشی، شرح وقایہ وغیرہ سے تعلیم کا آغاز کیا اور شوال ۱۳۸۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۹ء میں دورہ حدیث میں داخل ہو کر شعبان ۱۳۹۰ھ مطابق اکتوبر ۱۹۷۰ء میں درس نظامی سے فارغ التحصیل ہوئے۔ مولانا مرحوم نے بخاری ومسلم محمد یونس جونپوریؒ سے، ابو داؤد ونسائی محمد عاقل سہارنپوریؒ سے، ترمذی مظفر حسین اجراڑویؒ سے اور طحاوی اسعد اللہ رامپوریؒ ومظفر حسین اجراڑویؒ سے پڑھی۔ دورۂ حدیث کی تکمیل کے بعد انھوں نے شوال ۱۳۹۰ھ تا شعبان ۱۳۹۱ھ مطابق دسمبر ۱۹۷۰ء تا اکتوبر ۱۹۷۱ء مظاہر علوم ہی میں رہ کر شعبۂ تکمیل علوم و فنون میں داخلہ لے کر بیضاوی شریف، تفسیر مدارک، درمختار، ملاحسن، دیوان متنبّی جیسی کتابیں پڑھیں۔ تعلیم سے فراغت کے بعد انھوں نے اپنے نانا شیخ محمد زکریا کاندھلویؒ ہی کے ہاتھوں پر بیعت کرکے ان ہی کے دامنِ ارادت سے وابستہ ہوگئے اور انہی کے خلیفہ ومُجازِ بیعت بھی ہوئے۔

مولانا مرحوم اپنی صفات وکمالات کی بنا پر مرجع خلائق تھے۔ مولانا کی خوبیوں کا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے آج سے چالیس سال قبل یعنی ۱۹۸۲ء میں ان الفاظ میں کیا تھا:

"مولانا محمد شاہد مظاہری ممتاز ہیں۔ وہ جید عالم، رواں قلم مصنف اور علمی وتحقیقی ذوق رکھنے والے نوجوان فاضل ہیں۔ مکتوبات علمیہ اور علمائے مظاہر علوم اور ان کی علمی وتصنیفی خدمات اور "تاریخ مظاہر العلوم" (جلد دوم) وغیرہ ان کے تصنیفی ذوق اور قلم کی روانی کے شاہد ہیں۔ حضرت شیخ (محمد زکریا کاندھلویؒ) کی ان پر خاص شفقت تھی، اور انہی کی توجہ اور محنت سے شیخ کے کئی قلمی مسودات اور خطوط کے مجموعے منظر عام پر آئے"۔

مولانا محمد شاہد حسنی مظاہری جیسی شخصیات مدتوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہیں۔ اس وقت ملک میں مسلمانوں کے جو حالات ہیں ان حالات میں ولی اللہی صفات کے حامل فرد کا دنیا سے رخصت ہوجانا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مگر اللہ بڑا کارساز ہے۔ اس کے فیصلے حکمت پر مبنی ہیں۔ ہم اسی سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں مولانا کا نعم البدل عطا فرمائے اور مولانا کی مغفرت فرمائے، آمین۔

☆☆☆☆☆

بقیہ صفحہ ۲۵/کا..................

وہ اس بات کو ملحوظ رکھے کہ ہمارے ملک کا مفاد عربوں کے ساتھ بہتر تعلق میں ہے، نہ کہ اسرائیل جیسے خود غرض اور قلاش ملک کی تائید میں۔

اس کے ساتھ ساتھ ہم امریکہ اور اسرائیل کی تجارتی اشیاء کا بائیکاٹ کریں، جس کی فہرستیں بھی اخبارات اور سوشل میڈیا میں آچکی ہیں، کہ یہ بھی منکر پر ناراضگی کے اظہار اور ظالم سے بے تعلقی برتنے کا ایک مؤثر طریقہ ہے اور شرعاً بہ حیثیت مسلمان ہم اس بات کے مکلّف ہیں کہ اس سلسلہ میں جو طریقہ اختیار کرنا ہمارے لیے ممکن ہو، ہم اس سے دریغ نہ کریں، بعض حضرات کہتے ہیں کہ صرف مسلمانوں کے بائیکاٹ کرنے سے ان کا کیا نقصان ہوگا؟ یہ درست نہیں ہے، اول تو اگر مسلم ممالک بھی اس بائیکاٹ میں شامل ہوجائیں تو اس کے غیر معمولی اثرات مرتب ہوں گے، دوسرے: مسئلہ ان کو نقصان پہنچنے اور پہنچنے کا نہیں ہے؛ بلکہ اپنی طرف سے اظہارِ ناراضگی کا ہے، کتنے ہی واقعات پیش آتے ہیں کہ خاندان میں اختلاف پیدا ہوا اور اس کی وجہ سے ایک دوسرے کی دعوت میں شرکت سے گریز کرنے لگے، یہاں تک کہ بعض اوقات بات چیت بھی بند ہوجاتی ہے؛ حالاں کہ معلوم ہے کہ اس کے دعوت میں شریک نہ ہونے اور بات نہ کرنے سے دوسرے شخص کا کچھ بگڑنے والا نہیں ہے؛ لیکن مقصود اپنے جذبات کا اظہار ہوتا ہے، یہی جذبہ یہاں بھی ہونا چاہیے، غرض کہ یہ انسانی فریضہ ہے، یہ شرعی ذمہ داری ہے اور حمیتِ ایمانی اور غیرت اسلامی للکار کر ہم سے پوچھ رہی ہے کہ کیا ہم اس کے لیے بھی تیار نہیں ہیں؟؟

☆☆☆☆☆

یادوں کے چراغ

ڈاکٹر ف عبدالرحیم - زبانِ وحی کے عظیم شناور

مولانا عبدالمتین منیری (بھٹکل)

گزشتہ ماہ رمضان المبارک میں عمرہ جانا ہوا تو خیال تھا کہ ڈاکٹر ف عبدالرحیم صاحب سے مدینہ منورہ میں ایک بار پھر شرف ملاقات حاصل ہوگا، لیکن فون پر آپ کا پیغام آیا کہ وہ اپنے آبائی قصبے وانمباڑی میں برادر خورد احمد اقبال صاحب کے یہاں ٹھہرے ہوئے ہیں، غالباً اس وقت وہ علاج معالجہ کے لیے ہندوستان آئے تھے، اور آج مورخہ ۱۹/اکتوبر ۲۰۲۳ء رات گئے خبر آگئی کہ ڈاکٹر صاحب مدینہ منورہ میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر صاحب نے امام نوویؒ اور امام ابن تیمیہؒ کی طرح ایک مجرد زندگی گذاری، اور اپنی زندگی کا لمحہ لمحہ زبان وحی اور قرآن کریم کی خدمت میں صرف کیا، وہ ارض ہند سے تعلق رکھتے تھے، لیکن یہاں والوں کی معلومات آپ کے بارے میں بڑی محدود رہیں، وہ نام ونمود اور شہرت سے زندگی بھر دور رہے، اور جنوبی ہند کے بہت سے انمول رتنوں کی طرح یہاں پر زیادہ تر گمنام ہی رہے، بس ان کا تذکرہ کبھی کبھار عربی ریڈروں کے مصنف کی حیثیت سے آتا رہا، یا کچھ جاننے والوں نے شاہ فہد قرآن کامپلیکس سے ان کے تعلق کا ذکر کردیا، حالانکہ وہ مسلمانان ہند کے لیے ایک قیمتی علمی سرمایہ اور دنیا بھر میں ان کا نام سربلند کرنے والی ایک عظیم شخصیت، اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام تھے۔

ڈاکٹر صاحب کو ہم نے آج سے نصف صدی پیشتر ۱۹۷۱ء میں پہلی بار اس وقت دیکھا تھا جب کہ ابھی وہ عمر کے چالیسویں دہے میں تھے، ہمارے استاد مولانا عبدالرافع نائطی باقوی نے ہمیں آپ سے ملایا تھا، ڈاکٹر صاحب جب بھی وطن آتے تو ہمارے مادر علمی جمالیہ عربی کالج چنئی (مدراس) ضرور تشریف لاتے، یہاں پر ہمارے مشفق پرنسپل مولانا سید عبد الوہاب بخاری مرحوم سے ان کے بڑے گہرے مراسم تھے، غالباً پریسڈنسی کالج میں انہیں آپ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہوا تھا۔ ہمارے استاد نے اس وقت ہمیں بتایا تھا کہ چند سالوں سے آپ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورۃ میں تدریس سے وابستہ ہیں۔ ہمارے لیے اس وقت بھی آپ کی ملاقات بڑے فخر کی بات تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے ۷/مئی ۱۹۳۳ء میں آرکاٹ کے قصبے وانمباڑی میں آنکھیں کھولیں تھیں، اس لحاظ سے آپ نے نوے (۹۰) سال کی عمر پائی جو آج کے لحاظ سے ایک طویل عمر شمار ہوتی ہے۔ ارکاٹ کا یہ علاقہ طویل عرصے سے مسلم اکثریتی علاقہ اور دیرینہ اسلامی روایات کا امین رہا ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عبدالسبحان تھا، جو ایک تاجر پیشہ شخص تھے۔ وانمباڑی نام کے پہلے انگریزی حرف (V) جسے عربی میں (ف) لکھا جاتا ہے، اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے وہ اپنے نام سے آگے جنوب کی روایت کے مطابق یہ حرف بڑھا کر ف عبدالرحیم لکھا کرتے تھے۔ چند سال قبل جب آپ کے توسط سے ہمیں شاہ فہد مصحف کامپلیکس جانا ہوا تو، آپ کو سعودی اسٹاف میں بڑے احترام سے دکتور ف کہتے سنا۔

مسجد میں ناظرہ قرآن پاک سے حسب روایت آپ کی تعلیم کا آغاز ہوا تھا، پھر آپ نے وانمباڑی کے اسلامیہ ہائی اسکول میں داخلہ لیا، جہاں آپ نے بارہ سال تک ثانوی تعلیم حاصل کی، اس دوران ذاتی محنت سے عربی سیکھنی شروع کی، اس کے لیے آپ نے عربی زبانوں کی آسان کتابوں، پھر سفارت خانوں سے عربی اخبارات اور مجلات منگوا کر، اور صوت العرب القاہرہ، نداء الاسلام جدہ وغیرہ سے پروگرام سن سن کر عربی زبان سے مانوسیت حاصل کی۔ اس دوران آپ کو مدینہ منورہ سے آئی ہوئی تبلیغی جماعت سے اور بحرین سے آئے ہوئے ایک فقیر کی صحبت بھی ملی، جس سے آپ کو عربی بول چال کی شدبدھ ہونے لگی۔

پی یو سی کے بعد آپ نے باوقار پریزیڈنسی کالج چنئی میں داخلہ لیا اور بی اے آنرز کی سند حاصل کی۔ اور پھر اسلامیہ کالج وانمباڑی میں تدریس سے وابستہ ہوگئے، اس کالج کے قیام میں مولانا سید عبدالوہاب بخاریؒ اور ڈاکٹر عبدالحق کرنولیؒ کا بڑا ہاتھ رہا تھا۔

جب اسلامیہ کالج میں عربی زبان کا ڈگری کلاس شروع کرنے کا وقت آیا تو ڈاکٹر صاحب نے مدراس یونیورسٹی سے افضل العلماء کا امتحان پاس کیا اور علی گڑھ یونیورسٹی میں داخلہ لے کر عربی زبان میں ایم اے کی سند حاصل کی۔

۱۹۶۳ء میں آپ کو عالم عرب کی کسی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور آپ نے عید الفطر کی مناسبت سے صدر مصر کرنل جمال عبد الناصر کو پیغام تہنیت بھیجا، جس میں آپ نے ازہر شریف میں اپنی عربی تعلیم مکمل کرنے کے اشتیاق کا اظہار کیا، یہ مبارک باد ایسی نہیں تھی کہ اسے یاد بھی رکھا جاتا، لہٰذا اسے بھیج کر بھول گئے، لیکن آپ کو اچانک دو ہفتے بعد مصر کے نائب صدر حسین الشافعی

کا ایک جواب موصول ہوا، جس میں آپ کو مصری سفارت خانے میں اپنے تعلیمی اسناد اور کاغذات پیش کرنے کو کہا گیا تھا۔ آپ نے ضروری سفر کی کاروائی کی اور جنوری ۱۹۶۴ء میں ازہر شریف میں تعلیم کا آغاز کردیا، آپ کا قیام اس وقت مدینۃ الناصر للبحوث میں تھا۔ چونکہ اس وقت تک علی گڑھ یونیورسٹی کی اسانید کا یہاں اعتراف نہیں ہوا تھا، لہٰذا آپ کا داخلہ امتحان لے کر کیا گیا۔

۱۹۶۶ء میں آپ کو ایم فل کرنے کا خیال آیا، اس وقت شیخ محی الدین عبد الحمید شعبہ کے سربراہ تھے، ان کا اپنا ایک مزاج تھا، انہوں نے ایم فل کے لیے آپ کی سند کو ماننے سے انکار کردیا۔ آپ اسی اڈھیر بن میں تھے کہ آپ نے طے کیا کہ اس سلسلے میں وزیر ازہر شریف شیخ احمد حسن الباقوری سے بات کی جائے، آپ باقوری صاحب کے آفس گئے، وہاں دربان سکریٹری وغیرہ کوئی نہیں تھا، آپ آفس میں سیدھے بلا روک ٹوک داخل ہوئے، وہاں ایک بڑے مرتبے کے فوجی افسر بیٹھے ہوئے تھے، شیخ صاحب نے آپ کی درخواست ہمت افزائی سنی اور جواب دیا کہ آپ اس کے لیے فلاں افسر کے پاس جائیں، تو ڈاکٹر صاحب نے ہمت کر کے کہا کہ مجھے ثوری (انقلابی) جواب چاہیے، تو شیخ صاحب نے فوجی افسر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ کام بیٹھے ہوئے انقلابی افسر کر سکتے ہیں۔ تو جواباً اس افسر نے فوراً آپ کو کالج کے دفتر جانے کو کہا، جب آپ کالج کے متعلقہ دفتر پہنچے تو وہاں افسران آپ کے لیے نگاہیں بچھائے ہوئے تھے، اور ان میں ایک کہہ رہا تھا کہ جلدی کیجیے ابھی تک آپ نے رجسٹر کیوں نہیں کیا؟، اس طرح آپ نے اپنا ایم فل میں داخلہ لیا، اور تحقیقی مقالہ پورا کیا جس کا عنوان تھا (الكلمات الفارسية المعربة)۔

۱۹۶۱ء میں شاہ فیصل رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں جب جامعہ اسلامیہ مدینہ کا قیام عمل میں آیا تھا، تو یہ جامعہ بنیادی طور پر غیر ملکی طلبہ کے لیے تھی، اور یہاں پر تعلیم گریجویشن سے شروع ہوتی تھی، تو اس میں تعلیم پانے کے لیے جو طلبہ اپنے اپنے ملکوں سے ثانوی تعلیم مکمل کر کے آتے تھے انہیں گریجویشن کے لیے عربی میڈیم میں تعلیم پانے کے قابل بنانے کے لیے عربی زبان میں مہارت پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی، اس ضرورت کے ماتحت جامعہ نے (تعليم اللغة العربية لغير الناطقين بها) کے عنوان سے ایک تمہیدی درجہ قائم کیا تھا، جس میں غیر ملکی طلبہ صرف عربی زبان کی صلاحیت پیدا کرتے تھے، اس شعبے میں صرف ایک استاد شیخ محمد الاحمد پڑھاتے تھے، اسوقت اس کے لیے کوئی خاص کورس تیار نہیں تھا، جب جامعہ نے اس درجہ کو منظم کرنے کا ارادہ کیا اور اس کی اطلاع ڈاکٹر صاحب کو پہنچی تو آپ نے اس وقت کے رئیس الجامعۃ شیخ عبد العزیز بن بازؒ کے نام ایک درخواست بھیجی جس میں اس شعبہ کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، شیخ علیہ الرحمہ نے اس سلسلے میں استاد محمد المبارکؒ سے رائے مانگی، اور آپ کی بھرپور سفارش پر آپ ۱۹۶۹ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے اس شعبہ سے منسلک ہوگئے، اور جامعہ کے اس شعبہ اور کلیۃ اللغۃ میں اپنی خدمات پیش کیں۔

۱۹۹۲ء میں جب جامعہ میں سعودیزائشن (Saudization) کا قانون نافذ ہوا، تو آپ کو دوسرے غیر ملکی اساتذہ کے ساتھ ریٹائرڈ ہونا پڑا۔

۱۹۷۳ء میں آپ نے استاد ابراہیم ابو النجا کے زیر نگرانی جامعہ ازہر سے ڈاکٹریٹ کی سند حاصل کی تھی۔

آپ کو بچپن ہی سے مختلف زبانیں سیکھنے کا شوق تھا، اردو، تامل، انگریزی، عربی، فارسی، یونانی اور لاطینی زبانوں سے شد بدھ وطن قیام ہی کے دوران ہوگئی تھی۔ لیکن چونکہ آپ پر دنیا بھر کے غیر ملکی طلبہ کو عربی سکھانے کی ذمہ داری عائد تھی، لہٰذا ترکی، افریقی، فرانسیسی، جس زبان کے بھی طلبہ آپ کے حلقۂ تلمذ میں شامل ہوتے آپ ان کی زبانیں سیکھتے، آپ کو عربی زبان کے مختلف کورسوں کی تدریس کے لیے جرمنی جانا پڑتا تو اس کے لیے آپ نے جرمنی زبان بھی سیکھ لی تھی۔ اس طرح آپ کو عبرانی اور سریانی سمیت جملہ بارہ (۲۱) سے زیادہ زبانوں پر عبور حاصل ہوگیا تھا۔

آپ بنیادی طور پر علم لسانیات کے فرد تھے، اس کا ایک اہم شعبہ فیلولوجی Philology کہلاتا ہے، اس شعبے کا عالم مختلف زبانوں سے شامل ہونے والے اجنبی الفاظ کی بنیاد جاننے کی کوشش کرتا ہے، اس موضوع پر یورپ نے بڑی ترقی کی ہے، عربی اور اردو میں اس میدان کے ماہر شاذ و نادر ملتے ہیں، ڈاکٹر صاحب اس میدان میں اپنی نوعیت کے منفرد عالم تھے۔ اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کے لیے آپ نے ابو منصور جوالیقی کی کتاب (المعرب من الكلام الاعجمي على حروف المعجم) کو تحقیق کے لیے منتخب کیا، آپ سے پہلے مشہور محقق شیخ احمد محمد شاکر نے اسے ایڈٹ کر کے شائع کیا تھا، عام طور پر کسی ایڈٹ شدہ کتاب کو وہ بھی احمد شاکر جیسے محقق کی قلم سے ہو، ڈاکٹریٹ میں دوبارہ تحقیق کے لیے قبول نہیں کیا جاتا تھا، لیکن ڈاکٹر صاحب کو اس میں استثناء مل گیا، وہ اس لیے کہ ایک تو احمد شاکر قدیم عربی زبان میں دوسری زبانوں سے شامل الفاظ کی شمولیت کو نہیں مانتے تھے، لہٰذا انہوں نے کتاب کی صحت عبارت پر اکتفا کیا تھا، دوسری زبانوں کے الفاظ کی گہرائی تک پہنچنا ان کے بس کی بات نہیں تھی، یہ ف عبد الرحیم کا میدان تھا، لہٰذا آپ نے اپنی

کتاب میں ایک ایک لفظ کی تحقیق پیش کی، اور دوسری زبانوں کے الفاظ سے اسکا موازنہ پیش کیا ہے۔

قرآن کریم میں کیا دوسری زبانوں کے الفاظ پائے جاتے ہیں؟، یہ ایک دقیق علمی بحث ہے، جس میں علماء کا موقف یہ ہے کہ اسلام سے پہلے غیر زبانوں کے جو الفاظ داخل ہو کر عربی زبان میں گھل مل گئے ہیں، اب ان کے ساتھ معاملہ عربی زبان کے الفاظ ہی کی طرح ہوگا۔ اور انہیں غیر عربی الفاظ نہیں کہا جائے گا، اس سے (بلسان عربی مبین) کے دعوے کی درستگی پر کوئی حرف نہیں آتا۔ اس موضوع پر امام جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب (المهذب فيما وقع في القرآن من المعرب) کو بڑی شہرت حاصل ہے، علاوہ ازیں مستشرقین نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے، ان میں ارتھر جفری کی کتاب (معجم الألفاظ الغربية في القرآن) کو شہرت حاصل ہے، لیکن چونکہ اس مصنف کی نیت صاف نہیں ہے اور اس کا رویہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے تئیں معاندانہ ہے، لہٰذا کتاب کی تیاری میں انتھک محنت کے باوجود یہ کتاب قابل قدر نہیں رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس موضوع پر (معجم الدخيل في اللغة العربية الحديثه ولهجاتها) اور (سواء السبيل الى ما في العربية من الدخيل،الاعلام باصول الاعلام)، مستقل اور بڑی قابل قدر کتابیں ہیں۔ آپ نے ان کے علاوہ بھی بہت ساری قابل قدر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں، اس موضوع پر اردو میں بھی آپ کی دو یادگار کتابیں ہیں، (پردہ اٹھادوں اگر چہرۂ الفاظ سے) اور دوسری کتاب ہے (گلستان الفاظ ومعانی)۔

ہندوستانی علماء میں آپ کو مولانا سید ابوالحسن ندویؒ سے بڑا تعلق خاطر رہا، اور سعودی علماء میں شیخ عبدالعزیز بن بازؒ سے وہ بڑے متاثر تھے۔ شیخ بن بازؒ کی زندگی کے چند ایک پہلوؤں سے تو وہ بڑے متاثر تھے، جنہیں جان کر شیخ میں کبھی حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ روح چلتی پھرتی نظر آتی ہے، ایک چشم دید واقعہ کو وہ بیان کرتے ہیں کہ:

”جنوبی کوریا کے ایک طالب علم مدینہ یونیورسٹی میں داخلے کے لیے آئے تھے، اس ملک کے پایہ تخت سیول میں ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی تھی، جس کے بارے میں اس طالب علم نے بتایا کہ یہاں نماز وماز کا زیادہ اہتمام نہیں ہوتا، ہفتے کے چھ روز یہاں کے لوگ کام میں مصروف رہتے ہیں، البتہ اتوار کے روز چھٹی ہوتی ہے، بہت سارے کوری باشندے اس روز شراب لے کر آتے ہیں، اور مسجد کی چھت اور منڈیر پر بیٹھ کر اسے پیتے ہیں، یہ سن کر میرا دل کھول گیا، اور شدت جذبات سے بے قابو ہو گیا، جب شیخ بن بازؒ نے میری یہ حالت دیکھی تو قریب بلا کر سمجھایا کہ یہ لوگ کفر سے نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، شراب پینا معصیت ہے، اور معصیت کفر سے ہلکی چیز ہے، ایمان ہے تو معصیت سے توبہ ہو سکتی ہے، اور وہ ڈھل سکتی ہے، لیکن کفر ہے تو کوئی گناہ نہیں ڈھل سکتا، اس پہلو سے بھی کبھی سوچنا چاہیے“۔

اسی طرح ”ایک امریکن طالب علم آپ کے پاس جامعہ میں داخلہ کا مقررہ وقت گذرنے کے بعد آیا، شیخ بن بازؒ نے آپ کو ترجمانی کرنے کے لیے کہا، اور اس کی بات سن کر شیخ صاحب نے معذرت کرتے ہوئے اسے آئندہ سال آنے کو کہا، تو اس امریکی نے جواب دیا کہ کیا آپ آئندہ سال تک میرے زندہ رہنے کی ضمانت دے سکتے ہیں، اگر میں اس دوران دین کو جانے بغیر دنیا سے گذر گیا تو اس کا ذمہ دار کون ہوگا؟ یہ سن کر شیخ کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں، اور اس کے داخلہ کی ہدایت کردی“۔

آپ نے جامعہ میں عربی نہ بولنے والوں کو عربی زبان سکھانے کے لیے (دروس اللغة العربية لغير الناطقين بها) کے عنوان سے جو نصاب تیار کیا ہے، اسے بڑی پذیرائی ملی، اور کئی سارے ملکوں میں آپ کی اطلاع کے بغیر بھی یہ مقبول ہوئی، کئی ایک ظالموں نے آپ کا کتاب سے نام حذف کر کے بھی شائع کیا۔

امام مسجد نبوی شریف شیخ علی عبدالرحمٰن الحذیفی حفظہ اللہ شاہ فہد قرآن شریف پریس کے سربراہ ہیں، ۱۹۹۲ء میں جامعہ اسلامیہ سے ڈاکٹر صاحب کو ریٹائرڈ کیا گیا تو آپ نے فوراً ہی آپ کو شاہ فہد پریس میں قرآنی تراجم کے شعبہ کا سربراہی پر نامزد کردیا، جس عہدے پر آپ وفات تک تیس سال سے زیادہ عرصہ فائز رہے، اور آپ کی سرپرستی میں (۶۷) سے زیادہ زبانوں میں قرآن پاک کے ترجمے شائع ہوئے۔ یہ ایسا عزت کا مقام ہے جو شاید ہی کسی کو نصیب ہوا ہو۔

ڈاکٹر ف عبدالرحیم صاحب زندگی بھر وحی الٰہی کی زبان سیکھتے اور سکھاتے، اور قرآن پاک کی تعلیمات کو دنیا بھر میں قابل فہم بناتے بناتے اپنے خالق حقیقی سے جاملے، انہوں نے شہرت اور ناموری سے بلند ہو کر، ایک گمنام سپاہی کی طرح اللہ کے کلام کی سربلندی کے لیے زندگی لگادی، اب آپ ہمارے درمیان نہیں ہیں، لیکن آپ کی پھیلائی ہوئی خوشبو تا قیامت فضاؤں میں بکھرتی رہے گی۔ کتنا خوش نصیب تھا وہ شخص، ظاہری نظروں میں اپنی کوئی آل واولاد نہیں چھوڑی، لیکن دیکھا جائے تو اس کی چھوڑی ہوئی ہزاروں لاکھوں روحانی اولاد نصف صدی سے زیادہ عرصے سے قرآن کا نور، اور علم کی روشنی دنیا بھر میں پھیلا رہی ہے، ان شاء اللہ نور کی یہ شعاعیں تا قیامت بڑھتی رہیں گی، اور بارگاہ خداوندی میں آپ کے درجات بلند کرتے رہیں گی، آمین۔

☆☆☆☆☆

جهدِ مسلسل

بھنور سے لڑو، تند لہروں سے الجھو

محمد جمیل اختر جلیلی ندوی

آج کل کی سب سے بڑی خبر اور بریکنگ نیوز ''حماس-اسرائیل'' کی جنگ ہے، جو ۷/ اکتوبر سے جاری ہے، جس میں حماس نے دنیا کو حیرت میں ڈالنے کے ساتھ ساتھ کئی اور حقیقتوں کو بھی دنیا کے سامنے واضح کر دیا، ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ اسرائیل کے اس غرور کو خاک میں ملا دیا کہ اس کے پاس جدید ترین ایسے آلات ہیں، جن کے ذریعہ سے حملہ کی اطلاع پیشگی ہو سکتی ہے، اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ اسرائیل ناقابل تسخیر نہیں ہے؛ بل کہ اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ چند آلات کے ذریعہ سے بھی اسے ہلایا جا سکتا ہے، بہر حال! ''اقصی طوفان'' نے صرف اسرائیل میں ہی طوفان برپا نہیں کیا؛ بل کہ اسرائیل کے حامی تمام ممالک میں بھی اس طوفان کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔

بہت سارے لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ہے کہ اچھی خاصی جنگ بندی چل رہی تھی، اچانک حماس کو کیا ہو گیا کہ وہ ہاتھی سے ٹکرا گیا؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں ایک لمبی تاریخ کا مطالعہ کرنا ہوگا، جس کی شروعات ۱۹۱۴ء سے ہوتی ہے، جس میں پہلی جنگ عظیم کی ابتدا ہوئی، جس میں ایک طرف الائنس (Alliance) طاقتیں (امریکہ، برطانیہ، روس، فرانس اور اٹلی وغیرہ) شامل تھیں، جب کہ دوسری طرف سلطنت عثمانیہ، جرمنی اور عثمانی سلطنت تھے، ابتدا میں سلطنت عثمانیہ کا پلڑا بھاری تھا، پھر اپنوں کی حرص اور غداری نے جیتی جنگ کو ہار میں بدل دیا، جس کے نتیجہ میں برطانیہ نے نومبر ۱۹۱۷ء میں غزہ پر اور دسمبر ۱۹۱۷ء میں یروشلم اور بیت المقدس پر قبضہ کر لیا، پھر ۱۹۱۸ء میں شام کے دیگر علاقے فلسطین، لبنان، حلب اور حمص بھی برطانیہ افواج کے زیر نگیں آ گئے۔

اس جنگ کے دوران برطانیہ نے اپنی خست اور کمینگی کے کئی نمونے پیش کیے، شریف مکہ سے کہا کہ ترکوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی صورت میں ہم تمہیں عرب کی بادشاہت سونپیں گے، جب کہ خفیہ طور پر فرانس سے یہ معاہدہ بھی کر رہا تھا کہ جنگ جیتنے کے بعد عرب کے فلاں فلاں علاقے آپ کے ہوں گے اور فلاں فلاں ہمارے، تیسری طرف یہودیوں کو اپنے ساتھ شامل رکھنے کے لیے یہ لالچ بھی دے رہا تھا کہ جنگ جیتنے کے بعد ہم فلسطین میں یہودیوں کی ایک ریاست بنا دیں گے؛ چنانچہ برطانیہ کے وزیر خارجہ جیمس بالفور نے ۲/ نومبر ۱۹۱۷ء کو صہیونی تنظیم کے نمائندہ Lord Rothschild کو ایک خط لکھا، جس میں یہ بات واضح کی حکومت برطانیہ پوری ذمہ داری کے ساتھ فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری کا ارادہ رکھتی ہے، یہی وہ خط ہے، جس کی بنیاد پر اسرائیل کی ریاست قائم ہوئی۔

اسی سازش کی تکمیل کے لیے برطانیہ نے فلسطین کو اپنی ماتحتی میں رکھا اور وہاں اپنا ہائی کمشنر قائم کر دیا، جس کو تمام طرح کے اختیارات دیے گئے تھے، اس نے یہودیوں کی آبادکاری کے لیے کئی طریقے اختیار کیے: یہودیوں کو اجازت دی کہ یہاں کے باشندوں سے زمین خرید کر آباد ہو سکتے ہیں، یہودیوں کو سرکاری زمینوں کے بڑے بڑے رقبے کہیں مفت اور کہیں معمولی قیمت پر دیں، دوسری طرف عربوں پر بھاری ٹیکس لاگو کیا اور عدم ادائیگی کی صورت میں زمینیں ضبط کر لی گئیں، بعض مقامات پر حیلے بہانے سے پورے پورے عربی گاؤں کا صفایا کر کے وہاں یہودیوں کو آباد کر دیا گیا، اس طرح فلسطین میں یہودیوں کی آبادی دن بدن بڑھتی رہی، ۱۹۲۲ء میں ان کی تعداد ۸۲/ ہزار سے کچھ زائد تھی؛ لیکن ۱۹۳۶ء میں ساڑھے چار لاکھ تک پہنچ گئی۔

پہلی جنگ عظیم سے پہلے فلسطین میں جو یہودی آباد تھے، ان کے پاس فلسطین کی ۱۱% زمین تھی اور باقی ۸۹% عرب فلسطینیوں کے پاس تھی؛ لیکن تیس سالوں کی کوشش اور محنت سے یہودیوں کے پاس فلسطین کی ۵۵% زمین چلی گئی، پھر دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹-۱۹۴۵ء) کی وجہ سے فلسطین میں یہودیوں کی آبادی کا بے حد اضافہ ہو گیا؛ کیوں کہ ہٹلر نے جرمنی سے ان کا مکمل صفایا کرنا شروع کر دیا تھا، جس کی وجہ سے وہ لوگ بھاگ بھاگ کر وہاں پناہ گزین ہو گئے، جس کی وجہ سے زمینی تبدیلی کے ساتھ ساتھ آبادی کا تناسب بھی مکمل طور پر بدل گیا اور یہودیوں کی رہائش کے لیے تہتر (۷۳) نئی بستیاں بسائی گئیں، اس صورت حال کو دیکھ کر فلسطینی پریشان

ہوئے اور اس کی وجہ سے وقتاً فوقتاً جھگڑے بھی ہونے لگے، آہستہ آہستہ یہ جھگڑے خوفناک ہوتے گئے۔

اسرائیلی اور فلسطینیوں کے درمیان رونما ہونے والے فسادات کو دیکھ کر امریکہ اور برطانیہ نے ایک رائل کمیشن قائم کی، جس نے صورت حال کا جائزہ لے کر بتایا کہ اسرائیلی ظلم کرتے ہوئے فلسطینیوں کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں، جس کے نتیجہ میں یہ فسادات رونما ہوتے ہیں، یہ بات بھی کہی گئی کہ اس مسئلہ کا حل بس یہ ہے کہ دو ریاستیں قائم کردی جائیں، ایک اسرائیلیوں کے لیے اور دوسری فلسطینیوں کے لیے، جس کو اسرائیلی اور فلسطینی دونوں نے رد کردیا، پھر اسرائیلی اور فلسطینی دونوں کی طرف سے اپنے اپنے تحفظ کے لیے مزاحمتی جماعتیں قائم ہونے لگیں، جن کے درمیان ٹکراؤ بھی کافی خوفناک ہوتا تھا، ان سب چیزوں سے برطانیہ کافی پریشان تھا؛ چنانچہ جیسے ہی تیس سالہ معاہدہ اس کا ختم ہوا، اس نے وہاں سے اپنے جانے کا فیصلہ کیا؛ لیکن خاموشی کے ساتھ چلے نہیں گئے؛ بلکہ فلسطین کے امن کو غارت کرنے کے لیے ۱۴/مئی ۱۹۴۸ کو رات کے دس بجے اسرائیلی ریاست کے وجود کا اعلان کردیا، اس کو قبول بھی کرلیا، امریکہ نے بھی قبول کیا اور ان کے جو حلیف ممالک تھے، ان میں بہتوں نے اس کو قبول کرلیا، پھر یہ قرارداد اقوام متحدہ میں پیش کی گئی اور وہاں بھی اسے تسلیم کرلیا گیا؛ لیکن عربوں کو یہ تسلیم نہیں تھا۔

اگر بات یہیں پر ختم ہوجاتی تو شاید عرب فلسطینی آنسو بہا کر کچھ سالوں کے بعد خاموش ہو بیٹھتے؛ لیکن اسرائیلیوں نے اس حد پر اکتفا نہیں، جتنی زمین پر ریاست اسرائیل کو قائم کرکے یہودیوں کے حوالہ کیا گیا، انھوں نے اپنی سرحدوں کو وسیع کرنا شروع کردیا، جس کا خطرہ اردن، مصر اور شام نے محسوس کیا، لہٰذا ان لوگوں نے اپنی سرحدوں پر فوجیں تعینات کردیں، جس کے نتیجہ میں چھوٹی موٹی چھڑپیں اسرائیل کے ساتھ ہوتی رہتی تھیں، جو ۱۹۶۳ء اور ۱۹۷۳ء میں بڑی جنگ کی شکل میں نمودار ہوئی، جس کے بعد آپسی مصالحت کے لیے "کیمپ ڈیوڈ اگریمنٹ" (Camp David Agreement) کے نام سے ہوا، اس اگریمنٹ کے بعد فلسطین کو مزید بے یار و مددگار کرکے چھوڑ دیا گیا، اب فلسطینی یہ سمجھ گئے کہ اپنی زمین کی حفاظت کے لیے جو کچھ بھی کرنا ہے، خود ہی کرنا ہے، اس کے لیے کئی گروپ وجود میں آئے، جن میں سے ایک یاسر عرفات کی "الفتح" بھی تھی، ابتدا میں تو اس نے کچھ کام کیا؛ لیکن بعد میں یہ جماعت بالکل ناکارہ ہوکر رہ گئی اور ۱۳/ستمبر ۱۹۹۳ء کو اسرائیل اور یاسر عرفات کے درمیان "اوسلو" معاہدہ کے ہونے کے بعد تو وہ امریکہ کا ہی پٹھو ہوکر رہ گیا تھا، جس کی وجہ سے دوسری تحریک شروع ہوئی، شیخ احمد یاسین نے فلسطینیوں کے سرد پڑتے ہوئے جذبوں کو حوصلہ دیا، ان کو ۱۹۸۷ء میں اس وقت عالمی شہرت حاصل ہوئی، جب وہ انتفاضہ اول کے وقت سامنے آئے، اس وقت فلسطینی اسلامی تحریک نے "حماس" کا نام اختیار کیا، ان کا نظریہ یہ تھا کہ اگر ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو کیا ہوا؟ ہمارے پاس پتھر ہیں، ہم وہی ماریں گے، غلیل ہیں، ان سے حملہ کریں گے اور پھر زمانہ نے دیکھا کہ ایک طرف اسرائیل کی بکتر بند گاڑیاں ہوتیں اور دوسری طرف لوگوں کے ہاتھ میں پتھر ہوتے اور وہ ان سے بکتر بند گاڑیوں پر حملہ کرتے، اس طریقہ سے ظاہر ہے کہ جدید دور کے ہتھیار سے لیس اسرائیلیوں سے جنگ جیتی نہیں جاسکتی ہے؛ لیکن دراصل اس کے ذریعہ سے انھوں نے عالمی برادری کو یہ جتلایا اور ان کی سوئی ہوئی ضمیر کو جگانے کی کوشش کی کہ ہم نہتے لوگ ہیں، ہمارے پاس کسی قسم کا ہتھیار نہیں ہے، ہم ظالم نہیں ہے، ہم مظلوم ہیں، ہم تو اپنا دفاع بکتر بند گاڑیوں کے مقابلہ میں پتھر سے کررہے ہیں۔

جس وقت اسرائیل کا وجود ہوا تھا، اس وقت (۱۹۴۸ء) اس کا رقبہ 7,993 مربع میل یعنی 12,863 کلومیٹر تھا، جب کہ آج اس کے پاس 13,760 مربع میل یعنی 22,145 کلومیٹر سے بھی زیادہ ہے، نقشہ کو دیکھ کر اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وجود کے وقت اس کا نقشہ کیسا تھا اور آج کیسا ہے؟ یہ رقبہ اسے کہاں سے حاصل ہوا؟ نہتے فلسطینیوں کو دَر بدر اور بے گھر کرکے، اب خود ہی فیصلہ کیا جائے کہ فلسطینی اپنی زمین کے لیے مزاحمت کریں گے یا نہیں؟ اور اس مزاحمت میں وہ مظلوم ہیں یا ظالم؟

اس وقت بھی جو لڑائی چل رہی ہے، وہی زمین کی لڑائی ہے، اسرائیل نے تو مسلسل پچاس سالوں سے فلسطینیوں پر ظلم وستم کی انتہا کررکھی ہے، اس نے نہتے فلسطینیوں کے خون سے سرزمین فلسطین کو لالہ زار کررکھا ہے، آج تک عالمی طاقتوں کو اس بات کی پرواہ نہیں ہوئی کہ اسرائیل کا مقاطعہ کردیا جائے، اس کے ظلم کے خلاف دو بول بول کر مظلوم فلسطینیوں کو تسلی دی

جائے، آج جب پچاس برس کے ظلم سہنے کے بعد حماس کو کچھ طاقت حاصل ہوئی ہے اور اس نے اسرائیل پر ایسا حملہ کیا، جس کی دنیا کو امید نہیں تھی تو سارے منافق ممالک کی آوازیں نکلنے لگیں، امریکی صدر جو بائیڈن یہ کہہ اٹھے کہ: ”حماس کے حملوں کا جواب دینا اسرائیل کا حق اور فرض ہے“، سوال یہ ہے کہ یہ حق پچاس سالوں سے فلسطینیوں کو کیوں نہیں تھا؟

مذکورہ سطور سے یہ بات معلوم ہوگئی ہوگی کہ حماس نے اسرائیل پر حملہ کیوں کیا؟ اور حماس ہی کیا، اس کی جگہ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو وہ یہی کرتا، جو حماس نے کیا ہے، کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ اسرائیل نے فلسطین پر حملے کر کر کے ایک قید خانے میں تبدیل کر دیا ہے، خود ہی اندازہ لگائیے کہ ریاست کے قیام کے وقت جس اسرائیل کا رقبہ 12,863 کلومیٹر تھا، آج وہ بڑھ کر 22,145 کلومیٹر سے بھی زیادہ کیسے ہوگیا ہے؟ جو بھی کھلے دل سے سوچے گا، وہ یہی کہے گا کہ اسرائیل کی بجائے فلسطین کو جواب دینے کا پورا پورا حق ہے اور اسی حق کا اس نے اس وقت بھی استعمال کیا ہے اور دنیا کو یہ بتا دیا ہے کہ اب زمانہ وہ نہیں ہے، جس میں دامن بچا کر، کنارے کنارے جاؤ، اس کو لوگ بزدلی سمجھتے ہیں اور دباتے جاتے ہیں، جیسی حالت آج فلسطین کی ہوگئی ہے؛ اس لیے اب بھنور سے لڑنا پڑے گا اور تند لہروں سے ٹکرانا پڑے گا، خواہ وہ کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو؟ تب جاکر تمہیں اپنا حق ملے گا:

بھنور سے لڑو، تند لہروں سے الجھو
کہاں تک چلوگے کنارے کنارے

☆☆☆☆☆

نگاہِ عبرت وا کرنے کی ضرورت

مولانا مصطفیٰ عبد القدوس ندوی

قرآنی بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بالکل قیامت کے قریب اتنا زبردست تہلکہ خیز زلزلہ آئے گا اس کی دہشت سے حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا اور دودھ پلانے والی اپنے شیرخوار بچہ سے غافل ہو جائے گی، [تفسیر رازی، تفسیر قرطبی، تفسیر ابن کثیر] اور لوگ مدہوش ہو جائیں گے، ایسا محسوس ہوگا کہ شراب پی کر بدمست ہیں، حالانکہ وہ عذاب الٰہی زلزلہ کی ہیبت ناکی کا اثر ہوگا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس زلزلہ کی اہمیت اور خوفناکی کا بتاتے ہوئے فرمایا: ”یَا أَیُّہَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّکُمْ إِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْءٌ عَظِیْمٌ، یَوْمَ تَرَوْنَہَا تَذْہَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَہَا وَتَرَی النَّاسَ سُکَارَی وَمَا ہُمْ بِسُکَارَی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ“ [سورہ حج: ۱،۲]

جب قیامت برپا ہوگی تو اس وقت فلک بوس پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر ریزے ریزے ہو جائیں گے، اور آسمان جو کہ لاکھوں سال سے مضبوط و محکم تھا اور اس میں کبھی شگاف تک نہیں آیا تھا اس دن پھٹ پڑے گا، فرشتے آسمان پھٹتے وقت اس کے کنارے چلے جائیں گے، زمین کپکپا اٹھے گی، اور اپنی جگہ چھوڑ دے گی نیز ربڑ کی طرح کھینچ کر پھیلا دی جائے گی، عمارتیں اور پہاڑ سب برابر کر دیئے جائیں گے، اور چٹیل میدان ہو جائے گا۔ [واقعہ: ۶، فجر: ۲۱م، حاقہ: ۱۴-۱۷، تفسیر قرطبی]

قرب قیامت کے موقع سے زبردست زلزلہ یا قیامت کے موقع سے بھونچال کا جو نقشہ قرآن نے کھینچا ہے، یہی صورت حال کم وبیش ان چھوٹے زلزلے میں بھی ہوتی ہے کہ فلک بوس عمارتیں زمیں بوس ہو جاتی ہیں، دریاؤں کا رخ بدل جاتا ہے، بعض مرتبہ پہاڑ بھی لڑھک کر نیچے آجاتا ہے، انسان ملبے کے نیچے دب کر دم توڑ دیتے ہیں، ہزاروں انسان گھر سے بے گھر ہو کر زیر سماں خوفزدہ سوتے ہیں، یقیناً یہ سماں یوم حشر کے نفسی نفسی کے عالم کو یاد دلاتا ہے، غرضیکہ یہ چھوٹے چھوٹے زلزلے کس قدر تباہی مچاتے ہیں، اس سے قرب قیامت اور صور پھونکتے وقت کے بڑے زلزلے کی تباہی ونقصانات اور ہولناکی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے!

زلزلہ آتا ہے، ہمیں بھی خوف ہوتا ہے، لیکن نہ اللہ کا ڈر، اور نہ قیامت کا بلکہ محض گھر گرنے، مال ضائع ہونے اور جانیں جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ واقعات وحادثات سننے اور پڑھنے کے ہم اس طرح عادی ہوگئے ہیں کہ کتنے ہی تہلکہ خیز اور دل کو دہلانے والا واقعہ پیش آجائے ہمارے دل پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اگر خدا پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل ایسے ہوں تو تعجب کی بات نہیں، یہاں ہمارے دل پتھر جیسے ہو چکے ہیں، جب کہ ہم مسلمان ہیں، بلکہ پتھر بھی اللہ کے ڈر سے پگھل پڑتے ہیں مگر اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ بار بار قیامت خیز زلزلے برپا کر کے امنڈتا ہوا سیلاب اور آندھی وطوفان بھیج کر کے اپنی قدرت کاملہ کی نشانیاں ہم انسانوں کو دکھائے اور متنبہ کرتے ہیں، تاکہ بندے عقل سے کام لیں، عبرت و موعظت حاصل کریں، اور چشم ہائے بصیرت کھول کر ان حقائق کا مشاہدہ کریں۔

☆☆☆

دردِ دل

روح کی گہرائیوں میں درد کا احساس ہے

مولانا شبیر احمد جذبؔی کاندھلوی

پھر سناؤں مسجدِ اقصیٰ کی بربادی کا حال
دینِ حق کی ملتِ بیضا کی بر بادی کا حال

قبلۂ اول کی ویرانی ہو اور اپنا بیاں
کر سکوں رو رو کے سب پیشِ خدائے دو جہاں

شکوۂ تقدیرِ یزداں لب پہ آسکتا نہیں
زخم ہائے دل پہ دامن میں اٹھا سکتا نہیں

تو نے دیکھا کیا ہوا اس وقت اے چرخِ کبود
جب اچانک حملہ آور ہوگئے ظالم یہود

سجدہ گاہِ انبیاء برباد کیسے ہوگئی
ہائے رسوا عزتِ اجداد کیسے ہوگئی

کیوں بکھیرے اس نے اعرابی قبا کے تار و پود
حق بجانب اپنے ظلموں میں ہیں کیا ظالم یہود

مانعِ انصاف، ایماں کو سمجھ سکتے نہیں
اہلِ مغرب چشمِ گریاں کو سمجھ سکتے نہیں

مشرقِ وسطیٰ کی مٹی آج لالہ زار ہے
کفر پھر اسلام سے آمادۂ پیکار ہے

چار سو بہتا ہوا پھرتا ہے مسلم کا لہو
مضطرب مجھ کو نظر آتا ہے کوئی، میں نہ تو

ہوگئے رسوا زمانے میں عرب کے تاجدار
یہ بہادر، یہ جری، یہ صف شکن، میدانِ کار

اے خدائے کعبہ یہ اولادِ ابراہیم ہے
لائقِ تعظیم ہے اور قابلِ تکریم ہے

تو نے بخشا ان کو انساں کی امامت کا مقام
آبرو کا برتری کا اور عزت کا مقام

ان کے ہاتھوں نے اکھاڑا قیصر و کسری کی جڑ
آج تک ضرب المثل ہے ان کی دنیا میں اکڑ

یہ بہادر، یہ جری، یہ شیر دل، دشمن شکار
ہٹ نہیں سکتے تھے میدانوں سے وقتِ کار زار

ان کی ضربیں یاد ہیں یورپ کے ایوانوں کو، دیکھ!
زینۂ کہسار کو، وادی کو، میدانوں کو دیکھ!

وہ صلاح الدین سلطان غازئ ملت پناہ
جس کی ہیبت سے ہوا تھا لشکرِ باطل تباہ

زورِ بازو سے پلٹتا تھا بساطِ شش جہت
اس کے آگے سرنگوں رہتا تھا زعمِ کائنات

کیوں تری چشم کرم ان کی طرف سے ہٹ گئی
وہ محبت، وہ عنایت، وہ مروت گھٹ گئی

کیا بتا سکتا ہے مجھ کو انکی رسوائی کا راز
تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے میرے دل کا سوز و ساز

مضطرب ہوں اگر دلِ بیتاب میرے پاس ہے
روح کی گہرائیوں میں درد کا احساس ہے

اِس صدف میں آج بھی موتی اسی دریا کے ہیں
یہ ستارے ہی قبائے ملتِ بیضا کے ہیں

یوں بساطِ زندگانی پارہ پارہ کیوں ہوئی
ان کی ذلت غیرتِ حق کو گوارا کیوں ہوئی

بے نیازی نے تری کیا کھیل دکھلایا انہیں
خار و رسوا ہر طرف عالم میں فرمایا انہیں

منہ چھپانے کی جگہ دنیا میں اب باقی نہیں
جان کوئی ملتِ وسطی میں اب باقی نہیں

کھل نہیں سکتا یہ عقدہ ناخنِ تدبیر سے
حل نکل سکتا ہے جذبِ پردۂ تقدیر سے

☆☆☆☆☆

فقہ وفتاویٰ

سوال وجواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: ایک مسلمان خاتون نے اپنا نکاح گھر والوں کی مرضی کے خلاف ایک غیر مسلم سے کرلیا، باپ زندگی بھر ناراض رہے اور اپنے گھر آنے نہیں دیا، والد کا انتقال ہوگیا ہے، اس نے کافی جائدادیں چھوڑی ہیں، تمام بھائی بہنوں نے جائدادیں تقسیم کرلی ہیں، لیکن اس خاتون کو نہیں ملی جس نے غیر مسلم سے نکاح کرلیا ہے، کیا وہ باپ کی جائداد میں حصہ پائیگی؟

جواب: کسی مسلمان عورت کا نکاح غیر مسلم سے جائز نہیں ہے، اس لیے یہ نکاح ہی نہیں ہوا ہے، کسی مسلم خاتون کا غیر مسلم کے ساتھ رہنا سنگین گناہ اور آخری درجہ کی بے حیائی ہے، اسے فوراً توبہ کرکے اپنے گھر آجانا چاہیے، بھائیوں اور دیگر اعزہ کی ذمہ داری ہے کہ اسے فوراً اس برے ماحول سے لے آئیں ورنہ عنداللہ مؤاخذہ ہوگا، اگر اس خاتون نے اپنا مذہب تبدیل نہیں کیا ہے اور وہ اب تک مسلمان ہیں تو اپنے والد مرحوم کی جائداد میں حصہ پائے گی، خدانخواستہ اگر مذہب اسلام سے پھرگئی ہے اور مرتد ہوگئی ہے تو والد مرحوم کی متروکہ جائیداد میں حصہ نہیں پائے گی، کیونکہ ارتداد کی وجہ سے وارث حصہ سے مرحوم ہوجاتا ہے: ”أما المرتد فلا يرث من أحد لا من مسلم ولا من مرتد مثله، وكذالك المرتدة لاترث من أحد لانها ليست ذات ملة“ (مرتد کسی کا وارث نہیں ہوتا نہ مسلمان کا اور نہ ہی مرتد کا، اسی طرح مرتدہ عورت کسی کا وارث نہیں ہوگی اس لیے کہ ایک ملت نہیں ہے)۔ [شریفیہ: ص/۱۴۱]

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے ورثہ میں دو لڑکے ہیں، مرحوم نے ایک زمین ترکہ میں چھوڑی ہے، وارثین میں ایک بھائی چاہتے ہیں کہ یہ زمین والد مرحوم کے نام مسجد میں دیدیں، کیا کوئی وارث جو گھر کا ذمہ دار ہو وہ زمین مسجد میں دے سکتا ہے؟

جواب: جو زمین مال متروکہ میں ہو اور وہ ورثہ کے درمیان مشترک ہو تو تمام ورثہ کی اجازت کے بغیر کوئی وارث اسے مسجد میں نہیں دے سکتا: ”لايجوز لأحد أن يتصرف في نصيب الآخر الا بأمره“ (کوئی وارث دوسرے وارث کے حصہ میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کرسکتا)۔

[فتاویٰ ہندیہ: ج۲/ص۳۰۱]

سوال: ایک شخص کا انتقال ہوگیا ہے، ان کے وارثین موجود ہیں، کیا کوئی وارث دیگر ورثہ کی اجازت کے بغیر مرحوم کے مال متروکہ میں سے برائے ایصال ثواب فقراء پر خرچ کرسکتا ہے؟

جواب: اگر مال مشترک ہو، تقسیم شدہ نہ ہو تو تمام ورثہ کی اجازت کے بغیر تنہا کوئی وارث تصرف نہیں کرسکتا خواہ کار خیر ہی کیوں نہ ہو۔

[حوالہ سابق]

سوال: اگر کوئی شخص مال حرام چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوا ہو کیا وارثین اس حرام مال کو مال متروکہ سمجھ کر آپس میں تقسیم کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب: جو مال حلال ہو وہ وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا اور جو حرام ہو وارثین ان کے لینے کا حقدار نہیں بلکہ اگر مال حرام کے مالک کا علم ہو تو اصل مالک کو لوٹانا ضروری ہے، اگر مالک کا علم نہ ہو تو ضرورتمندوں پر اس کا صدقہ کردینا لازم ہے: ”وهو حرام مطلقاً على الورثة سواء علموا أربابه أولا فان علموا أربابه ردوه عليهم والا تصدقوا به“.

[الدر المختار مع رد المحتار: ج۹/ص۵۵۴]

سوال: ایک شخص نے اپنے خاص رشتہ دار کو اپنا مکان زبانی وتحریری وصیت کردی، اور حقوق ملکیت اپنے انتقال کے بعد لکھ دیا، اب وہ شخص اپنی زندگی ہی میں اس وصیت کو ختم کرنا چاہتا ہے تو کیا وصیت سے رجوع کا حق ہوگا؟

جواب: شرع اسلامی میں اس کی گنجائش ہے کہ اگر کوئی وصیت کرنے کے بعد وصیت سے رجوع کرے تو وصیت ختم ہوجائیگی: ”وله (الموصى) الرجوع عنها“.

[الدر المختار علی رد المحتار: ۱۰/۳۵۰، کتاب الوصایا]

سوال: ایک شخص کے روپے بینک میں جمع تھے، اس نے یہ تحریر لکھ دی کہ میرے انتقال کے بعد یہ روپے میری بیوی کے ہوں گے، شخص مذکور کا انتقال ہوگیا ہے، ان کی ماں باحیات ہیں، کیا بینک میں جمع روپے میں ماں حقدار ہوگی یا نہیں؟

جواب: اگر شخص مذکور نے روپے اپنے نام بینک میں جمع کیا، اور بیوی کے حق میں یہ لکھ دیا ہے کہ یہ روپے بیوی کو ملے تو یہ بیوی کی رقم نہیں ہوگی، بلکہ مال متروکہ میں شامل ہوگی اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں بیوی ایک چوتھائی اور ماں ایک تہائی کی حقدار ہوگی۔

[فتاویٰ ہندیہ، کتاب الفرائض: ج۶/ص۴۴۹]

☆☆☆☆☆

ندوۃ العلماء
پوسٹ باکس ۹۳، ٹیگور مارگ، لکھنؤ
۲۲۶۰۰۷ یوپی (ہند)

NADWATUL-ULAMA
PO. BOX 93, TAGORE MARG, LUCKNOW
226007 U. P. (INDIA)

باسمہ تعالیٰ

تاریخ ۱۰-۲۵/اکتوبر ۲۰۲۳ء

Date 10,25 October 2023

اپیل برائے تعمیر اسٹاف کوارٹرس

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء، حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء کی سرپرستی میں اپنی علمی ودینی خدمت میں مصروف ہے، دارالعلوم اور اس کی شاخوں میں علمی وتعلیمی امور حسب معمول جاری ہیں، اساتذہ وکارکنان ندوۃ العلماء اپنی ذمہ داریوں کو انجام دے رہے ہیں۔ اساتذہ واسٹاف کی کثرت کی وجہ سے دارالعلوم میں ان کی رہائش کی مزید گنجائش نہیں رہی تو احاطۂ دارالعلوم کے علاوہ معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء (سکروری) میں اسٹاف کوارٹرس اور معہد سے قریب مستقل طور پر ندوہ کالونی کی سہ منزلہ عمارت تعمیر ہوئی، مگر اب بھی اسٹاف کے لیے کوارٹرس کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی، اس صورتِ حال کے پیش نظر پہلے ندوہ کیمپس سے متصل محلہ مکارم نگر میں اسٹاف کوارٹرس تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا گیا جو الحمدللہ اہل خیر کے تعاون سے مکمل ہوگیا۔ اب کیمپس کے اندر ہی مزید کوارٹرس کی تعمیر اللہ تعالیٰ کی مدد کے بھروسہ پر شروع کرادی گئی ہے، زیر تعمیر یہ عمارت تین منزلہ ہوگی، جس میں ۹ رفیملی کوارٹرس ہوں گے، اس کی تعمیر پر مبلغ -/1,15,00,000 (ایک کروڑ، پندرہ لاکھ روپئے) کے خرچ کا تخمینہ ہے جو ان شاء اللہ اہل خیر حضرات کے تعاون سے پورا ہوگا۔

ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اس اہم ضرورت کی طرف فوری توجہ فرمائیں گے اور ندوۃ العلماء کے کارکنوں کا ہاتھ بٹائیں گے۔

ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر پورا بھروسہ ہے کہ اس کی مدد سے یہ اہم کام تکمیل کو پہنچے گا، وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی	(ڈاکٹر) محمد اسلم صدیقی	(مولانا ڈاکٹر) سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	(مولانا) جعفر مسعود حسنی ندوی
معتمد تعلیم ندوۃ العلماء	معتمد مال ندوۃ العلماء	مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء	ناظر عام ندوۃ العلماء

NADWATUL ULAMA

STATE BANK OF INDIA MAIN BRANCH, LUCKNOW
(IFSC CODE : SBIN0000125)

تعمیرات

A/c. No. 1086 3759 733

ONLINE DONATION LINK
https://www.nadwa.in/donation/

نوٹ: چیک/ڈرافٹ پر صرف یہ لکھیں:

NADWATUL ULAMA

اور اس پتہ پر ارسال کریں

NIZAMAT NADWATUL ULAMA
Nizamat Office, Nadwatul Ulama,
Tagore Marg, Lukcnow - 226007 (U.P.)

معطیان کرام! براہ کرم اپنے عطیات ارسال کرنے کے بعد مندرجہ ذیل نمبر

+91 - 8736833376

پر مطلع فرمانے زحمت کریں، اس سے دفتری کاروائی میں سہولت ہوگی۔

فجزاکم اللہ خیر الجزاء

نوٹ: ندوۃ العلماء لکھنؤ کو دیا گیا تعاون سیکشن 80G انکم ٹیکس ایکٹ ۱۹۶۱ء کے تحت انکم ٹیکس سے مستثنیٰ ہوگا

website : www.nadwa.in
Email : nizamat@nadwa.in